# بہار اور اردو شاعری



— از —

محمد معین الدین دردائی بی۔ اے آنرز۔ ایم۔ اے (ڈبل) علیگ

صوبۂ بہار کے گمنام شعرا اور ادیبوں کے نام

# پیش لفظ

۱۹۳۶ء میں جب میں مسلم یونیورسٹی میں بی-اے آنرز کا طالب العلم تھا۔ استاذی پروفیسر رشید احمد صدیقی صدر شعبۂ اردو کے ایما پر میں نے اس مقالہ کو مرتب کیا تھا۔ اس مقالہ کی ترتیب کے سلسلہ میں صوبہ بہار کے اکثر مقامات اور ذی علم لوگوں سے بھی ملنے کی ضرورت تھی۔ شعبۂ اُردو نے اس بارہ میں میرے لئے آسانیاں بہم پہنچائیں جب یہ مقالہ تیار ہوا تو اُسے سالنامہ سہیل میں رشید صاحب نے شائع فرما دیا۔ شائع ہونے کے بعد ملک کے مقتدر رسائل نے اس مقالہ کے متعلق اتنے حوصلہ افزا الفاظ میں اظہار رائے کیا کہ اس نے اکثر میرے دل میں گدگدی پیدا کی کہ میں اس مقالہ کو مزید اضافہ کے ساتھ کتاب کی شکل میں شائع کردوں لیکن مجبوریاں حائل رہیں اور موقع نہ ملا۔

اس کے بعد ۱۹۴۷ء میں ماہنامہ معاصر نے اسے بالاقساط سہیل علی گڑھ کے حوالہ سے شائع کیا۔ ساتھ ہی ہمارے محترم دوست پروفیسر اسلم صاحب کا بھی اصرار ہوا کہ اسے کتاب کی شکل میں چھپوا دیا جائے چنانچہ مزید ترمیم و اضافہ کے بعد میں اسے ادب نواز شرفا کے سامنے پیش

کتاب کی شکل میں پیش کر رہا ہوں۔

آج کل کاغذ کی جو دشواریاں ہیں وہ تو الگ رہیں صوبہ بہار میں اُردو پریس کی جو زبوں حالی ہے وہ حد درجہ عبرتناک ہے۔ یہ کتاب چھپ کر تیار ہے لیکن یقین مانئیے اس کی طباعت اور کتابت کی غلطیاں دیکھ کر خود مجھ پر ایک اِمتلائی کیفیت طاری ہے۔ کتابت میں کئی بڑی فاش غلطیاں ہوگئی ہیں۔ بعض جگہ نصف سطر کا سطر اُڑا دیا گیا ہے۔ آہ اپنی بےبسی، اب تو سب کی طرف سے سوائے معذرت طلبی کے اور کیا چارہ ہے۔

آخر میں مجھے چند ذات گرامی اور احباب کا شکریہ ادا کرنا ہے جن سے اس کتاب کی تالیف و ترتیب میں کافی مدد ملی ہے۔ سب سے پہلے میں اپنے شفیق استاد پروفیسر رشید احمد صدیقی صدر شعبہ اُردو کا شکر گذار ہوں، جن کے ایما سے میں نے اس مقالہ کی ابتدا کی تھی اور جن کے تبحر علمی سے میں برابر مستفیض ہوا ہوں۔

ہمارے عزیز دوست پروفیسر ابو لیث صدیقی ایم۔ اے پی ایچ۔ ڈی۔ علیگ بھی خاص طور پر شکریہ کے مستحق ہیں، کیونکہ ہمیں یاد نہیں آتا کہ علی گڑھ کے چھ سال کے تعلیمی دور میں ہم دونوں کا کوئی مضمون بھی ایک دوسرے کے تنقید اور مشورہ سے بے نیاز رہا ہو۔

لیث صاحب اور میں دونوں نہ صرف ہم جماعت اور ہم مضمون تھے، بلکہ ایک ہی بورڈنگ اور ایک ہی ساتھ رہ کر ہم دونوں نے چھ سال کی خوشگوار مدّت گذاری ہے۔ طبیعت جدا لیکن ادبی مذاق ایک تھا۔ مضمون لکھنا ایک دوسرے کو دکھلانا اور پھر ایک دوسرے کی غلطیاں نکالنا یہ ہم لوگوں کا محبوب مشغلہ تھا۔

آخر میں برادر مکرم حکیم محمد اشرف جہانگیر صاحب کا جو فارسی اور اُردو کا بڑا پاکیزہ مذاق رکھتے ہیں۔ بدل سپاس گزار ہوں جن سے اکثر موقع پر مجھے بڑی مدد ملی ہے۔

۱۵ر دسمبر ۱۹۲۷ء

محمد معین الدین دردائی

---

# تعارف

سنہ ۱۹۳۷ء کی بات ہے کہ سرسید ہال کے کمرہ میں میری ملاقات ایک متین سنجیدہ باوضع اور چمکیلی آنکھوں والی شخصیت سے ہوئی - درمیانہ قد، صندلی رنگ، جاذب توجہ انداز رفتار، اور پُرتاثیر گفتگو، متانت کے ساتھ مسکراتا ہوا چہرہ، ہمدرد آنکھیں، اور بہت سی ایسی بے نام کیفیتیں جن سے بہر حال اخلاص کا اظہار ہوتا تھا - یہ تھیں اس شخص کی خصوصیات جنہوں نے گھنٹے آدھ گھنٹے کی گفتگو میں مجھ پر اثر ڈالا - میں اس سے پہلے معین الدین دردائی کو نہیں جانتا تھا اور وہ بھی میرے شناسا نہ تھے - ویسے وہ اپنی علمی اور ادبی دلچسپیوں کے سلسلہ میں مجھے جانتے تھے - علی گڑھ میں ہمارا تعارف اسی رنگ میں کرایا گیا کہ آپ ہیں معین الدین دردائی جو اردو کے مختلف موضوعات پر تحقیق کا کام کر رہے ہیں - صوبہ بہار کے ہونہار محقق، پروفیسر رشید احمد صدیقی کے منظور نظر شاگرد ان دنوں سے کچھ پہلے بہار کے شعرا کے متعلق رسالہ سہیل میں آپ کا

ایک بسیط مقالہ شائع ہوا تھا۔ دردائی نے جدید دور کے شعرائے بہار میں میرا بھی تذکرہ کیا تھا انہیں بتایا گیا کہ اس کا مخاطب ہی اختر اورینوی ہے جس کو انہوں نے اپنے مقالہ میں جگہ دی ہے ہم دونوں بہت گھل مل کر ملے۔ مگر پھر عرصہ تک ہماری ملاقات نہ ہوئی۔ اس درمیان میں دردائی نے علی گڑھ، حیدرآباد، بھوپال اور رامپور کے قیمتی کتب خانوں کو کھنگال ڈالا۔ اور میں شاعری اور افسانہ طرازی کرتا رہا۔ دردائی کا اصل مقام علی گڑھ تھا، مگر حالات کی اتفاقی ناسازگاری نے اسے اپنے مرکز سے دور کر دیا۔ وہ بیمار بھی پڑے اور صبر ایوبی کی بھی مشق کی۔ اس لحاظ سے بھی میری اور ان کی ایک رنگی ہے۔ میں نے بھی کوشش کی تھی کہ علیگڑھ میں ٹکنے کی صورت پیدا کر لوں، مگر دردائی کی طرح میں بھی کامیاب نہ ہوا۔ وطن کا بھی تو کچھ حق تھا، آخرش مجھے اور دردائی دونوں کو بہار ہی آکر خدمت اردو کرنی پڑی۔ میری طرح دردائی بھی کچھ دنوں تک اردو کے پروفیسر رہے وہ اب آزاد ہیں اور میں ہنوز پا بہ زنجیر۔ بہار آکر بھی دردائی بڑے کام کی طرح ڈالی بھی۔ بہار میں بھی بڑے بیش قیمت مخطوطات مختلف خانوادوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ دردائی تفتیش اور تجسس میں مشغول

رہے مگر آپ جانتے ہیں کہ کسی نصب العین کی پرورش کے لیے گیہوں کے آٹے کی ضرورت ہوتی ہے اور ایک بہاری کو جاو بھی مل جائے تو غنیمت ہے۔ بہار میں ریسرچ کا کام در اصل یونیورسٹی کی طرف سے ہونا چاہیئے تھا۔ یہاں تماشا اور اردو نیز جدید ہندوستان کے ریسرچ کی بڑی گنجائش ہے۔ لیکن اس کد و کاوش کے لیے سرمایہ چاہیئے اور ہماری بدنصیبی سے پٹنہ یونیورسٹی ان کاموں سے نظر بچاتی ہے۔ یہاں کوئی اور ادارہ بھی نہیں نہ کوئی ایسا مالدار صاحب ذوق ہے جو علم و ادب کی سرپرستی کرے۔ یہاں کی انجمن ترقی اردو کبھی گلدستہ طاق نسیاں بھی اور اب تو وہ ماضی کی ایک خوشخیالی کے سوا کچھ بھی نہیں یوں بہار نثر و نظم کے لحاظ سے وکس کا ہم پلہ کہا جاسکتا ہے، جو کچھ ابھی بھی ہمیں معلوم ہے۔ وہی یہاں کی اردو کی قدامت اور اس کی عظمت ثابت کرنے کے لیے کافی ہے، لیکن ابھی تو بہتیرے جلوے زیر حجاب ہیں، اور محققین کو موقع ملتا تو وہ محجوب جلووں کو ارزاں کر دیتے، مگر افسوس کہ بدلے ہوئے حالات میں رہی سہی امید بھی سسک سسک کر دم توڑ رہی ہے۔

جو کتاب آپ کے پیش نظر ہے وہ متذکرہ مقالہ

کی بنیاد پر کھڑی کی ہوئی عمارت ہے۔ زرّدائی نے بڑی کاوش کے بعد یہ علمی تحفہ آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس کی قدر و قیمت مسلّم ہے اب تک جتنی اُردو ادب کی تاریخیں لکھی گئی ہیں۔ اُن میں بہار کی طرف سے نظر بچائی گئی ہے، اس میں کچھ تو بہار یوں ہی کا قصور رہا ہے اور کچھ دوسرے صوبوں والوں کی تنگدلی اور نارسائی کا۔ زرّدائی نے اس نہایت ہی اہم شعبہ تاریخ ادب اُردو کو پیش کیا ہے۔ بلخی کی کتاب شعرائے بہار اس نہج پر پہلی کوشش تھی اور یہ نقش ثانی ہے۔ صفیر بلگرامی اور امداد امام اثر ان دونوں بزرگوں نے بھی تاریخ اُردو لکھی۔ لیکن ان عمائدین نے بھی جیسا چاہیئے تھا ویسا بہار کا حق ادا نہیں کیا۔ زرّدائی کی یہ کتاب تاریخ ادب اُردو میں ایک نہایت ہی اہم اضافہ ہے۔ بہت ہی بہتر ہوتا اگر زرّدائی بہار کی نثر کی تاریخ بھی مرتب کر لیتے اور یہاں کی شاعری اور نثر نگاری کو مربوط طور پر پیش کرتے۔

ہمیں اُمید رکھنی چاہیئے کہ زرّدائی ہماری تشنگی کو سیرابی سے بدل دیں گے۔

اختر اورینوی
پروفیسر پٹنہ کالج

۲۸ر نومبر ۱۹۴۷ء

زمانہ کی ستم ظریفی بھی دیدنی ہے کہ وہ بہار جس کی خاک پاک سے مرزا بیدل، سید عماد، سجاد، تحقیق، راسخ، جذب، جوشش[۱]، خلیل[۲]، عبرتی[۳]، شاد[۴]، اور اثر[۵] جیسی ہستیاں اٹھیں۔ آج اس کی اپنی علمی اور ادبی کارناموں کی ترجمانی کے لئے مجھ جیسے بے بضاعت کا انتخاب کرنا پڑا۔

نالندہ کا دار العلوم، اسوک اور چندر گپت کا دار السلطنت

---

۱ محمد روشن جوشش میر حسن کے ہمعصر تھے "تذکرہ میر حسن" سے پتہ چلتا ہے کہ جب میر حسن اپنا مشہور تذکرہ مرتب کر رہے تھے تو بزرگ بھی عظیم آباد میں ایک تذکرہ لکھ رہے تھے۔ میر حسن کا تذکرہ آج شہرۂ آفاق ہے لیکن جوشش کا تذکرہ طاق نسیاں پر ہے، جوشش شاعر بھی تھے آگے آئیگا۔ ۲ مولوی ابراہیم خاں خلیل ہیں جنہوں نے تذکرہ گلزار ابراہیمی لکھا ہے۔ ۳ وزیر علی عبرتی نے تذکرہ معراج الخیال تالیف کیا ہے۔ ۱۲۸۸ھ میں انتقال کیا۔ ۴ سید علی محمد شاد تذکرہ نغمات فریاد کے مولف ہیں۔ یہ شاعر کی حیثیت سے بہت زیادہ مشہور ہیں۔ ۵ نواب امداد امام اثر مولف تذکرہ کاشف الحقائق وغیرہ۔

بہا تھا بدھ کا مولد اور بیتا جان یونان وچین کا قبلۂ مقصود یاد
آیا ہے کہ یہی خطۂ بہار تھا۔ شاک منی نے اپنا پیام نجات کو یہیں سے
سنایا اور پٹھانوں کے لوہے کو یہیں کے ایک تلوار کے دھنی
(شیر شاہ) نے منوایا۔ اردو شعر و ادب کے پرستار ملا محمد علیم
تحقیق کے خلوص، حسرت و انور کی نادر الکلامی اور راجہ
شتاب رائے کے فرزند المتخلص بہ عاشق کی خدمتوں کو آج بھی
فراموش نہیں کر سکتے۔

جہاں تک اردو کی نشو و نما کا تعلق ہے بہار کے کارناموں
سے تاریخ کے اوراق روشن ہیں۔ ناصر الدین اور اس کے بیٹے
معز الدین کیقباد کی جنگ کے حالات کو فارسی میں حضرت خسروؒ
سے بہت پہلے ایک بہاری شاعر نے اس زمانہ کی اردو زبان
میں قلمبند کیا تھا۔ خسرو کی قرآن السعدین ہر جگہ مشہور ہے لیکن
غریب بہاری شاعر کا بھی ایک شعر یاد رہے ؎

منگی اور جرٹی نگری کو ہ کریں آباد ان
ناصر دیا سے جب لیں موجدین کیا داں

شعر و شاعری اور فسانہ و حکایات سے قطع نظر اگر ہم صرف
ٹھوس علمی خدمات کا جائزہ لیں تو ہمیں بہار کا حصہ اردو زبان

کی خدمت میں کسی اور صوبہ سے کم نہیں نظر آئے گا۔ طب جدید کی مشہور شاخ ہومیوپیتھک کے متعلق سب سے بڑا ابتدائی ذخیرہ بہار ہی میں ڈاکٹر صفدر (دغیرہ) نے مہیا کیا۔ اردو لغت کی سب سے مستند کتاب فرہنگ آصفیہ کا مصنف سید احمد صوبہ بہار ضلع مونگیر ہی کا باشندہ تھا۔ بہت سے لوگ میرے اس دعویٰ پر بہت متعجب ہوں گے۔ کیونکہ ہر خاص و عام سید احمد کو دہلوی سمجھتا ہے اور سید احمد دہلوی کے نام سے مشہور بھی ہیں۔ لیکن ہم اپنے دعویٰ کی تائید میں سید احمد ہی کی لکھی ہوئی تحریر پیش کریں گے، جو انہوں نے فرہنگ آصفیہ کے دیباچہ میں لکھا ہے، اس کے پڑھنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سید احمد کا اصل وطن صوبہ بہار ضلع مونگیر کی ایک بستی بارو میں ہے۔ ان کا خاندان بلکہ ان کے والد ہی کسی ذریعہ سے دلی گئے اور پھر رہنے کے لئے وہیں کے ہو رہے۔

فلسفہ جدیدہ کے اساطین ہیوم، برکلے، ڈی کارٹ، کانٹ وغیرہ کے نظریات کو سب سے پہلے بہار ہی کے ایک مشہور اہل قلم نواب امداد امام اثر نے اردو زبان میں منتقل کیا۔ جو روضۃ الحکما اور مرآۃ الحکما کے نام سے علماء اور فضلا کے حلقے میں بہت زیادہ مشہور ہے۔ زراعت اور باغبانی کے متعلق جدید نظریات

اور تجربات کو مقامی تجربات اور مشاہدات کے ساتھ مخلوط کرکے کتاب الاثمار اور کیمیائے زراعت کے نام سے اسی طرح فخر بزرگ نے اردو ادب میں پیش کیا۔ مغربی شعرا ہومر، ورجل، دانتے، ملٹن، شکسپیر وغیرہ کے کلام کی خصوصیتوں کو تراجم کے نمونوں کے ساتھ سب سے پہلی مرتبہ انہی صاحب کمال بزرگ نے اردو زبان جاننے والوں میں روشناس کرایا تھا۔

اس سے کچھ اور نہیں تو یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بہار نے دہلی اور لکھنؤ سے بہت پہلے اردو کی طرف توجہ کی۔

قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کا کوئی دعویدار نہیں ہوتا تو دوسرے لوگ اس پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ یہی حال بہار کے اکثر مشاہیر کا ہے۔ اکثر لوگ جن کی علمی اور ادبی زندگی بہار کے ماحول کی منت کش ہے اور جنہوں نے بہار ہی کی فضا میں آنکھیں کھولیں، یہیں پلے اور پروان چڑھے، تذکرہ نویسوں کی غلطی سے غیر بہاری اور دہلوی مشہور ہیں، مثلاً مرزا عبدالقادر بیدل، میر تقی میر اور میر حسن وغیرہ، ان کے کمال فن کا تو اعتراف کرتے ہیں، لیکن خدا جانے کیوں۔ ان کے بہاری ہونے کا تذکرہ نہیں کرتے۔ مرزا سرخوش نے تو آنکھیں بند کر کے انہیں شاہجہان آبادی لکھ دیا

ہے۔ آج کتنے لوگ جانتے ہیں کہ دہلی اور ٹونک کے وہ نغمہ طراز بلبل جن کی نغمہ طرازیوں سے گلشن ہند کا گوشہ گوشہ معمور ہے۔ ان کا آشیانہ اسی سرزمین کا ویرانہ تھا۔ محدث عالم مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی کا آفتاب سورج گڈھ سے طلوع ہوا تھا۔ مولانا حکیم برکات احمد صاحب ٹونکی کا مرز بوم سیر نگھ کا قریہ ہے، اور مولانا مفتی عبد اللہ صاحب ٹونکی کا تعلق بختیار پور کے قریب ایک گاؤں سے تھا۔

اُردو زبان کا معمولی طالب علم بھی واقف ہے کہ آج سے بہت پہلے مختلف قوموں کے میل جول اور بیک وقت کئی مختلف زبانوں کے خلط ملط سے یہ نئی زبان تخلیق ہوئی ہے۔ آرین جب ہندوستان میں داخل ہوئے تو یہاں کے قدیم باشندوں سے انہیں ملنا جلنا پڑا۔ اور اس میل جول سے مختلف مقامات پر مختلف پراکرتیں وجود میں آئیں۔ اس کے بعد ۱۲۰۶ء سے جب ہندوستان میں مسلمانوں کا داخلہ شروع ہوا تو ہندوستان کی پراکرتوں نے نیا رنگ بدلا۔ یہ تو وارد عربی فارسی، ترکی زبانیں بولتے ہوئے آئے تھے۔ ہندوستان میں انہیں دوسری پراکرتیں ملیں۔ اس میل جول اور زبان کی باہمی خلط ملط سے ایک نئی زبان کی بنیاد

پڑنے لگی۔ مگر کچھ عرصہ قبل تک مختلف مقامات پر یہی زبان اس م
کی پرانی پراکرت کی مناسبت سے مختلف صورت اختیار کے
ہوئے تھی مسلمان جس جس ملک سے گزرے وہاں کے باشندو
سے ملنے جلنے کے باعث ایک نئی زبان کی بنیاد پڑنے لگی۔ اس قت
تو وہ زبان اس ملک کی پرانی پراکرت مسلمانوں کی ساتھ لائی ہوئی
زبانوں کا معجون مرکب معلوم ہوئی لیکن رفتہ رفتہ اور کافی عرصہ کے
بعد یہی مخلوط زبان گھس پس کر ایک نئی شکل میں جلوہ گر ہوئی جس کو
بالآخر اُردو کے نام سے موسوم کیا گیا۔

چنانچہ مختلف ملکوں کی اُردو زبان میں وہاں کی پرانی پراکرت
کا کافی اثر پایا جاتا ہے۔ دکن کی اُردو میں وہاں کی ٹھیٹ پراکرتیں
کچھ عرصہ قبل تک کثرت سے شامل تھیں۔ اسی طرح بہار کی اردو
بھی مگدھی اور پالی زبان کا کافی اثر تھا۔ شاہجہاں آباد کا کام نکھارنے
اور نتھارنے کا تھا۔ دکن سے دلی آئے اور اپنی زبان نکھری
اور ستھری شکل میں واپس لے گئے۔ بہار سے مرزا بیدل، راسخ وغیرہ
بھی آئے اور کھرے کھوٹے پرکھا کر واپس گئے۔

بہار کی یہ خصوصیت بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ اس نے
کاروباری زبان کو علمی اور ادبی زبان کو علمی اور ادبی زبان کی

بالکل علیحدہ رکھا۔ اہلِ بہار روزمرہ کی زبان میں تو بے شک کھڑی زبان کا استعمال کر لیتے تھے لیکن انہوں نے اپنے علمی اور ادبی خزینہ کو مقامی آلودگیوں سے بالکل صاف رکھا۔ سید عماد الدین عمادؔ[1]، غلام نقشبند سجادؔ[2] اور مرزا بیدلؔ[3] وغیرہ گیارہویں اور بارہویں صدی ہجری کے شعرا ہیں۔ لیکن ان کی زبان یقیناً ستھری اور نکھری ہوئی ہے۔ برخلاف اس کے دکن میں تامل اور تلنگی وغیرہ نے اُردو ادب اور انشا پر کافی اثر ڈالا ہے۔ فراقیؔ۔ غواصیؔ، نصرتیؔ، ولیؔ وغیرہ کے کلام میں مقامی پراکرتوں کا کافی اثر پایا جاتا ہے۔

جس طرح ۱۳۲۷ء کے بعد دولت آباد ہندوستان کا دارالحکومت بنا، دکن میں اُردو زبان کی داغ بیل پڑنے لگی۔

---

[1] سید عماد الدین کا شعر ہے۔ ؎

جب بیچ چمن کے فصلِ بہار آوے ہے ؏ تب جوشِ جنوں تو امیر اکھیلاٹے ہے

[2] غلام نقشبند سجاد کا شعر ہے ؎

تو رواں ہے کب تو کوئی کو بھی میں اسکی گذر ہے ؏ مسجد و مسجد کی بابت مت پوچھو سجاد و ستی

[3] بیدل کا مشہور شعر ہے۔ ؎

جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا ؏ پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم ہیں

اسی طرح ۱۷۱۳ء کے بعد جب فرخ سیر نے تاج شاہی سر پر رکھ کر عظیم آباد کو دار السلطنت بنایا۔ بہار میں بھی اردو کی نمو ہونے لگی۔ اس سے پیشتر بھی دہلی سے گورنر بہار پر حکمرانی کرنے کے لیے آتے تھے اور اپنے ساتھ ادبی ماحول بھی لاتے تھے۔ لیکن فرخ سیر کے پٹنہ میں تخت نشین ہونے کے بعد بہار نے علمی اور ادبی حیثیت سے بہت کچھ ترقی کی۔

جس طرح بعض مورخین کا دعویٰ ہے کہ اسلام تلوار سے نہیں صوفیائے کرام کے اخلاق اور ان کی روحانی قوتوں کے باعث عالم میں پھیلا۔ اسی طرح اردو کی تعمیر اور ترویج میں بھی دوسروں سے زیادہ صوفیائے کرام کا دخل رہا۔ یہ جہاں کہیں جاتے اپنا ایک مشن لے کر جاتے اور وہاں کے لوگوں کو ان ہی کی پراکرتوں کی مدد سے اپنے ساتھ لائی ہوئی زبانوں میں اسلام کی تبلیغ کرتے، امرا اور رؤسا کی طرح انہیں اس ملک کے عام باشندوں سے ملنے جلنے میں کوئی پس وپیش نہ ہوتا، وہ باشندوں سے بے تکلفانہ اپنے بھائیوں کی طرح ملتے۔ ان سے ہر طرح کی باتیں پوچھتے اور اپنی اچھی اچھی باتیں بتاتے۔ اسی طرح حد تک غیر شعوری طریقہ پر ایک مخلوط زبان کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔

دکن میں اُردو کی ابتدا و ارتقا پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ آٹھویں صدی ہجری میں وہاں کی زبان مبارک سے بے شمار اُردو نما الفاظ نکلے ہیں۔ مثلاً حضرت زین العابدین خلد آبادی (متوفی سنہ ۷۷۱ھ) کا وفات کے وقت یہ فرمانا "منجے مت بلاوا"[1] (یعنی مجھے مت بلواؤ) اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ لوگ اس طرح کی زبان استعمال کیا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رح (متوفی سنہ ۸۲۵ھ) کی طرف حسب ذیل اشعار کا منسوب کیا جانا بھی اس پر دال ہے۔

پانی میں نمک ڈال مزہ دیکھنا اُسے ۔۔۔ جب گھل گیا نمک تو نمک بولنا کسے
یوں کھوئے خودی اپنی خدا ساتھ محمد ۔۔۔ جب گھل گئی خودی تو خدا بن نہ کوئی کہے

(دکن میں اُردو صفحہ ۱)

دکن کے مانند بہار میں بھی اُردو کی ترویج و تعمیر کا سہرا صوفیائے کرام ہی کے سر رہتا ہے۔ چھٹی اور ساتویں ہجری سے بہار میں اولیائے کرام کی آمد شروع ہوگئی تھی۔ بہندواں، منیر اور بہار شریف کی خانقاہیں اس پر گواہ ہیں۔ یہاں وہ لوگ تبلیغ و نصیحت اسی مخلوط گڈمڈی زبان میں کرتے اور اس طرح ان کی

---

[1] روضۃ الاقطاب مصنفہ ولی علی ۱۲

خدمات رشد وہدایت نے ہماری زبان پر گہرا اثر ڈالا۔

لیکن یہ ہماری کیسی بدقسمتی ہے کہ حضرت مخدوم الملک بہاری اور ان کے رفقا کو چھوڑ کر ہمارے صوبہ نے ہندوستان کے رسم کہن کے برخلاف مشائخ واولیا کے کارناموں کو بھی تازہ نہ رکھا "شیخ بڑہ"[1] یا شیخ بڈھو جیسے نامور طبیب اور ممتاز شیخ کو جن کی شیر شاہ سوری جیسا جلیل القدر بادشاہ جوتیاں سیدھی کرتا تھا۔ جاننے والے ہمارے وقت کتنے ہیں؟ اکبری دور کے بہار کے مشہور محدثین[2] حافظ ابو الوقت مولانا شیخ عبدالرزاق بہاری، شیخ الوقت مولانا عبدالنبی، مولانا عبدالمقتدر محدث مولانا محمد عتیق بن عبدالسمیع بہاری کا پتہ نہیں صرف اس طرح لکھا ہے کہ ان کی دی ہوئی حدیث کی ایک

---

[1] حضرت شیخ بڑہ کا سلطان سلیم شاہ لودی زادہ ہے، شیر شاہ سوری کو ان سے حد درجہ عقیدت تھی، شیخ علائی کے مشہور ہنگامہ میں دارالسلطنت آگرہ کے علما کی باہمی کشاکش سے گھبرا کر آپ کو ان کا حکم مقرر کیا گیا تھا۔ ملک العلماء دولت آبادی کی تصنیف ارشاد ایک شرح بھی آپ نے لکھی تھی (منتخب التواریخ بدایونی مطبوعہ کلکتہ جلد ا ص ۴۰۶)

[2] محدثین کے اس مقدس خانوادہ نے مولانا یٰسین گجراتی اور شیخ نورالحق بن شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے فیض پایا تھا۔

سند قلمی پھلواری شریف میں محفوظ ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو ہمارے ایسا دعویٰ کو بلا تامل قبول کر لینے کے لئے تیار ہوں کہ عالمگیر کے عہد میں فتاوی عالمگیری نام جو مستند اور معتبر کتاب علمار کی ایک جماعت نے بادشاہ کے حکم سے لکھی تھی۔ اس میں بہار کے علما شریک غالب تھے؛ گذشتہ صدی کے واقعات کو جانے دیجیے۔ اس صدی کے وہ ارباب[۱] فضل و کمال جن کی علمیت کے غلغلہ سے ان کی زندگی میں سارا ہندوستان گونج رہا تھا اور جن کے دامن تربیت میں سینکڑوں باکمال پل کر جوان ہوئے ہیں، آج ان کے سوانح حیات کا ایک صفحہ بھی ہمارے پاس محفوظ نہیں۔

---

[۱] مولانا ابراہیم صاحب آروی شمس العلما مولانا محمد سعید عظیم آبادی صاحب۔ مولانا حکیم عبدالباری صاحب۔ مولانا حکیم محمد ظہیر احسن صاحب شوق نیموی۔ حکیم محمد نصیر صاحب۔ مولانا حکیم عبدالحمید صاحب، مولانا حکیم عبدالحمید صاحب۔ مولانا شاہ عین الحق صاحب پھلواروی۔ مولانا شمس الحق صاحب محدث۔ مولانا وحید الحق صاحب۔ مولینا رفیع صاحب شکرانواں۔ اس صدی کی یہ وہ نادرہ، روزگار ہستیاں تھیں جن پر ہندوستان نے فخر کیا مگر بہار نے قدر نہ کی۔ ۱۲

حضرت شیخ شرف الدین[1] احمد یحییٰ منیری کی تصانیف کے مطا
سے یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ حضرت بندہ نواز گیسو درا
کی طرح آپ کے زبان مبارک سے بھی اُردو نما الفاظ مخلوط مگد بھی
اکثر نکلے ہیں۔ مثلاً آنکھ کے درد کے لیے آپ کا یہ نسخہ بہت مشہور ہے

لووہ پھٹکری مردار سنگ ہلدی زیرا ایک یک ٹنک
افیون چنا بھر مرچیں چار اُردو برابر تھوتھا ڈال
پوست کے پانی میں پوٹری کر یا آنکھ کے پیر اترتے ہریں

میں اس کے علاوہ چند ایسی مثالیں پیش کرنی چاہتا ہوں، جو
پُرانی بیاضوں میں چھپی رہنے کے باعث شاید اب تک عام طور پر
لوگوں کی نظر سے نہ گزری ہوں۔ علامہ سید سلیمان ندوی صاحب
نے اپنے ایک مضمون میں بہار دیستہ لائبریری کے ایک قلمی نسخہ کے
حوالے سے حضرت مخدوم جہاں کے چند فالنامے نقل کیے ہیں۔ لیکن

---

[1] حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری ۷۲۵ھ میں بہار تشریف لائے۔
آپ کی سنہ ولادت ۶۶۱ ہجری ہے۔ آپ بہت بڑے بزرگوں میں گزرے ہیں۔ بہار
میں آپ کی خانقاہ ابھی تک موجود ہے۔ بہار سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر
ایک مقام راجگیر ہے وہاں بھی آپ نے ایک مدت تک ریاضت کی ہے۔ آج کل
راجگیر آپ کی وجہ سے مسلمانوں کی بہت بڑی زیارت گاہ بنا ہوا ہے۔

مندرجہ ذیل فالنامہ ان سبھوں کے علاوہ ہے۔ اس کے لئے میں مشکور ہوں جناب سید شاہ نجم الدین صاحب نجمؔ کا جنہوں نے نہ صرف اپنے ذاتی کتب خانہ اور خاندانی قلمی بیاضوں کو دکھلا کر مجھے مستفیض ہونے کا موقع دیا۔ بلکہ اپنی یادداشت سے بھی بہت سی کارآمد باتیں بتا کر میری مدد فرمائی۔ فالنامہ:—

دس چار چھ اگم آوے اٹھ پانچ پہل مانگے آوے
تین اگیارہ پہنچے راج نو سو شترہ کرے اکاج

اس کے علاوہ آپ کا ایک شعر یہ بھی ہے ؎

شرفا گوڑ راون نس اندھیاری رات
واں نہ پوچھے کون تمہاری جات

حضرت مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے جانشیں مولانا مظفر بلخی[1] قدس سرہٗ کی زبان مبارک سے بھی بعض جملے و اشعار

[1] مولانا مظفر بلخی مظفر قدس سرہٗ ۷۸۲ھ میں اپنے پیر مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے وصال کے بعد سجادہ نشیں ہوئے۔ ۷۸۸ھ میں راہی ملک عدم ہوئے۔ مولانا کے ملفوظات اور تصنیفات بے شمار ہیں۔ دو سو کے قریب ان کے مکاتیب بھی ہیں جس کو مولوی عبدالرحمٰن خاں بہاری نے ترجمہ کر کے مع متن کے طبع کرانا چاہا تھا، مگر زمانے نے مساعدت نہ کی اور تیس بتیس مکاتیب سے زیادہ طبع نہ ہو سکے۔ بقیہ قلمی مکتوبہ مع ترجمہ

اسی طرح کے نکلے ہیں۔ مثلاً آپ کا یہ دوہا ہے

جی گگن میں ہا ہے کہ آئی ہیں مہالی رتیاں
جن کے کارن بچھے بہت دن ہے بنائیں گتیاں

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں صوفیا کا کیا مذاق تھا۔ اور اُردو کی نشوونما کا کیا اسلوب تھا۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ بہار میں اُردو شاعری کی ابتدا کب سے ہوئی اور بہار میں اُردو کا سب سے پہلا شاعر کون ہے۔

یوں تو حضرت خسروؒ کے عہد سے قبل کی ایک بہاری شاعر کا ایک شعر میں نقل کر چکا ہوں جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت خسروؒ سے پہلے بہار میں اُردو کا ہیولیٰ تیار ہو چکا تھا اور اہلِ بہار اس سے کافی مانوس ہونے لگے تھے۔

بعض مؤرخین نے مرزا بیدل کے سر پر اولیت کا تاج رکھا ہے لیکن ملا محمد علیم تخلص عظیم آبادی بیدل سے پہلے گزرے ہیں۔ عظیم آباد کو ان کے مسکن اور مدفن دونوں ہونے کا فخر حاصل ہے۔ یہ عالمگیر کے عہد میں تھے، اور شاہجہاں کا آخری زمانہ بھی انہوں نے دیکھا تھا، اور وہ یہ زمانہ تھا جب کہ لکھنؤ کا تو کیا ذکر دلی میں بھی

(بقیہ صفحہ ۱۳) کے میرے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ ہیں، آپ کا ایک فارسی مطبوعہ دیوان بھی ہے۔

کوئی اُردو کا شاعر موجود نہ تھا۔ فارسی کے علاوہ ان کا اردو کلام بھی ملتا ہے ان کی اُردو شاعری سعدی دکنی وغیرہ سے ملتی جلتی ہے۔ مؤلف نوائے وطن نے ملا علیم تحقیق کا ذکر کیا ہے لکھتے ہیں:۔

"عظیم آباد کے حکام اور صوبہ دار ملا صاحب کی بہت عزت کرتے تھے اور مسند پر اپنے سامنے بٹھاتے تھے"

ملا صاحب کے دو اشعار نمونتہً درج ذیل ہیں:۔

مرجن تیرے مکھڑے میں سورج کی کرن دہا ہے
دیکھا ہوں جو تجھ کو مکھ کون بنا مہر سے پندھرا ہے
مکھڑا باندھ دلوں سماجا    سلونے اے ادھر کون آجا

ملا محمد علیم تحقیق ہی کے ہم عصر سید عماد الدین عماد (۱۰۶۵ھ - ۱۱۲۴ھ) اور غلام نقشبند سجاد (۱۱۱۹ھ - ۱۱۷۳ھ) ہیں۔

یہ اس امر کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ جب لکھنؤ اور دلی میں کسی اُردو شاعر کا وجود نہ تھا، اس وقت بہار میں کئی اردو شعرا موجود تھے۔

ملا محمد علیم تحقیق کا جنہیں میں نے بہار میں اُردو اور سب سے پہلا شاعر تسلیم کیا ہے ذکر اوپر ہو چکا اور میں نے ان کے کلام کا نمونہ بھی پیش کر دیا ہے، اب ذرا ان کے ہم عصر عماد صاحب کا بھی

کلام ملاحظہ ہو: ؎[1]

بیچ نظر کے ادھر اُدھر ہر دم آوے جاوے ہے

یل بے ظالم تس پر ٹک دیکھے کو ترساوے ہے

جب سے تجھی چھوڑ یں کھانا پینا تیرا دوانہ اُلفت میں

خون جگر کا پیوے ہے اور غم غصہ کو کھاوے ہے

آوے اپنے ہاتھ وہ مورکھ نہیں عمادا اب اسکی آس

اس کے کارن کون جتن ہم کیا جو نہیں آوے ہے

اس سلسلہ میں سجاد کے بھی چند اشعار سن لیجیے: ؎[2]

پہنچی کو چلا ہو تے سحر پوچھو تو کوئی سجاد ستی

تھارات تلک تو کام اس کو اتفال ستی اور اوستی

جب میری طرف سے باد صبا کہتی جا کر صیاد ستی

اب جان لبوں پر بلبل کے پہنچی تیری بیداد ستی

تنہائی فرقت میں اپنا کیا نہ یہ دل گھبراوے ہے

پہلے ہے جو یہ ٹک ناشدنی تو صرف تمہاری یاد ستی

جب آگ دھند کتی ہو اس پر مت چھینٹو تیل خدا را تم

کیا دل کی خوشی کو پوچھو ہو یارو تم اک ناشاد ستی

---

؎ یہ لفظ ابھی تک بہار میں مستعمل ہے ؎[2] از رسالہ نگار جنوری ۱۹۳۵ء

ک بادِ سحر اے موجِ صبا لے جلد ہماری آ کے خبر
نکلا ہے ہمارا کام سدا تیری ہی فقط امداد ستی

س پایا ہے اس نے دل میرا کعبہ ہے یہ گھر اللہ کا ہے
اب کھود کے اس کو پھینکوا دے وہ بت نہ کبھنتا دستی

و دیکھ کے ہم کو ہاتھ ملے پچھتائے اور افسوس کرے
بتلاؤ کوئی شکوہ کریں کیا ایسے ستم ایجاد ستی

ٹھانا تو بہت اب جاویں گے ہرگز نہ کسی کے کوچہ میں
ہر بار مگر مجبور رہے ہم اپنے دل ناشاد ستی

توڑا ہے وہ کب تقویٰ کو بھٹی میں تو اس کی گذرے ہے
سجادہ وہ مسجد کی بابت مت پوچھو اب سجاد ستی

سجاد ہی کے ہمعصر ایک شاعر قاضی عبد الغفار المتخلص بہ تحفا کا ابھی حال ہی میں مجھے پتہ چلا ہے۔ ان کے خاندان وغیرہ کے متعلق باوجود تحقیق و تلاش کے مجھے کچھ زیادہ علم نہ ہو سکا صرف اتنا پتہ چلا ہے کہ یہ بزرگ پٹنہ ضلع میں ایک بستی رہوئی ہے۔ وہاں کے رہنے والے تھے۔ ان کی صرف ایک تصنیف جواہر الاسرار کا ایک قلمی نسخہ خوش قسمتی سے مجھے ملا ہے۔ اس کتاب کے ملنے کے بعد میں نے بہت کوشش کی کہ ان کی کوئی

اور تصنیف کا پتہ چلے یا ایک دو اشعار ہی ان کے مل جائیں، لیکن مجھے کامیابی نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ انتہائی تلاش و جستجو کے باوجود مجھے جواہر الاسرار کا بھی کوئی دوسرا نسخہ کہیں سے نہیں مل سکا۔

یہ تصوف کی ایک منظوم کتاب ہے جو سنہ ۱۱۱۶ھ میں تصنیف کی گئی ہے۔ اس کی زبان خاصی صاف ہے۔ البتہ سجاد وغیرہ کی طرح اس میں بھی مگدھی زبان کا عنصر بہت زیادہ شامل ہے۔ اس کتاب کی زبان اور زبان سے زیادہ اس کا نفس مضمون مجھے اس درجہ پسند آیا کہ میں نے ایک مقدمہ کے ساتھ اس کو سنہ ۱۹۳۶ء میں شائع کر دیا۔

ایک دو سال کی انتہائی تحقیق و تلاش کے بعد میں اس کتاب اور اس کتاب کے مصنف کے متعلق جو کچھ معلومات بہم پہنچا سکا اس مقدمہ میں میں نے تفصیل سے پیش کر دیا ہے۔ اس جگہ میں صرف اس کتاب سے چند اشعار نمونہ کے طور پر نقل کروں گا، تاکہ آپ بھی بہار کے اس گمنام صوفی شاعر غنا کے کلام سے لطف اندوز ہو سکیں۔

ظاہر دھوئے پاک نہ ہوئے　　پاک ہوئے جب باطن دھوئے
جہیں معراج نمازی سوئے　　بن معراج نماز نہ ہوئے

کہ کلماں مومن کہلانوے

---

کہے غفا سنسار موں ان دیس بدیس — سائیں آپے آپ کوئے سوائے مانک بھیس
خدا — بندگی — انسان

---

آگ پڑے تن پیم کے جل بل ہوئے جھا جیو — کہے غفا تم آگ موں ڈے جیو با پیو
میں — جی — پی

---

کہے غفا سن کان نے ایسے آیا ہاتھ — مورت صورت رنگ کا لے گیا سائیں ساتھ
کو

---

کہے غفا سجھ خوب ہے جگ موں ہی پاپ — پرگٹھ ہوا ہو اور کچھ لوگ کہاویں آپ
سب — میں

---

غفا سمندر پیم کا دیکھا غوطہ مار — جو نکلے موتی بھید کے آئے ہمارے ہاتھ
پریم

---

کہے غفا جنھ دیکھا دوئی — پیم پتھ موں مشرک ہوئے
جس نے

---

کہے غفا جنھ آپ بھلایا — تن سائیں کا درشن پایا
اسی نے

---

بھیجا پوتھی پریم کی ناوں دھرا قرآن — مانک ماتھ سمائے کے آپی ماجھے آن
انسان میں — آپ ہی

اُٹھ پردیسی کیا سوائیں یم جل دھوئے
دور گئے سبھ سنگ کے توں رہا اکیلا ہوئے
سب ساتھی

---

تن کا نانبا آگ موں پانی کرے جو کوئے
ڈالے بوٹی پریم کی تب جائے کنچن ہوئے
میں
کوئی ڈالے
جاکر

---

آئے کیتی بار ہی سودا کینہہ ہاٹ
کوئی سودا لے پھرا کوئی بھولا باٹ
ملکر خریدنے بازار

---

بیم نینہہ موں ایک ہے سن مسجد اور دیر
جب دیکھا تب پیا کوں نین نہ آیا غیر

---

سائیں کا کوئی اور نہ پارے
پل پل لاکھ بھیس دکھلاوے
حد

---

لوگ باسن مانٹی کہے نہ کوئے
آخر باسن مانی ہوئے
برتن مٹی

---

لوگ باڈرے بر کوں ڈھونڈیں دیس بدیس
یہ پرگھٹ جگ تھے آپے مانگ بھیس
باؤلے خدا کو
خدا ظاہر میں انسان

---

اللہ اللہ من جپے جیون کوئی دن رین
جھٹ اللہ سنسار موں در نہ آوے نین

---

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بہار کی شاعری کا کوئی خاص اسکول

نہیں ہے۔ بلکہ دہلی اور لکھنؤ اسکول کی پیرو ہے لیکن اس کی تاویل یوں کی جائے گی کہ اگر اشکی اور جمالی نے خواجہ میر درد کو اپنا استاد بنایا، تو میر تقی میر بھی جعفر عظیم آبادی کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا، ان کے علاوہ غالب نے بھی مرزا بیدل عظیم آبادی کا کلام سامنے رکھ کر مشق سخن کی ہے۔ ایک جگہ اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں ؎

طرز بیدل میں ریختہ کہنا ❊ اسد اللہ خاں قیامت ہے

میرا ذاتی خیال ہے کہ اسکول کی ضرورت شاعری کو ہوتی ہے نہ کہ شاعر کو۔ باکمال شاعر بجائے خود ایک اسکول ہوتا ہے۔

جس وقت دہلی کی فضا اشرف، فطرت اور طالب املی وغیرہ کے زمزمۂ شعر و سخن سے گونج رہی تھی، اسی زمانہ میں بہار کا بیدل حیات شعری، رموز حکمت اور اسرار معرفت میں حکیم رومی کے دوش بدوش کھڑا تھا، اور فارسی کے ساتھ ساتھ اردو کی خدمت سے بھی بے خبر نہ تھا۔ افسوس اس کا ہے کہ اب تک بیدل کے صرف تین شعر اردو کے ملے ہیں۔

جیسا کہ اوپر تذکرہ ہو چکا ہے بیدل سے پہلے بہار میں اردو

---

لہ حیات فریاد مولفہ علامہ شاد صفحہ ۱۵،

شاعری کا اسکول قائم ہوا۔ بہار اسکول کی اُردو شاعری میں بیدل کا اسکول یقیناً سب سے پہلا کہا جا سکتا ہے۔ غلام نقشبند سجاد اور فغاں وغیرہ کی شاعری بیدل اسکول سے اثر پذیر ہے۔

بیدل کی وفات کے تقریباً چوہتر سال بعد راسخ عظیم آبادی کی شاعری کا زمانہ آتا ہے۔ تیرہویں صدی ہجری میں راسخ کا شہرۂ شاعری عام ہو چکا تھا اور ان کا حلقۂ تلامذہ کافی وسیع اور موثر ہو گیا تھا۔ [illegible] علی آتش (متوفی ۱۲۶۳ھ) وغیرہ کی شاعری راسخ اسکول سے اثر پذیر ہے جیسا کہ آتش نے ایک جگہ اس کا اظہار بھی کیا ہے ؎

ہاں طرزِ سخن میں ہے [illegible] آتش
راسخ [illegible]

راسخ کے بعض [illegible] لوگوں کا خیال ہے کہ یہ میر کے شاگرد [illegible] ہے۔ اس سلسلہ میں

---

لے مفتی انوار [illegible] اُردو وطن تھا۔ فارسی اور اردو دونوں میں شاعری کرتے ان کا دیوان [illegible] چھپ چکا ہے۔ رسالہ ساقی ستمبر ۱۹۳۲ء [illegible] تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔

مزید خیالات کے اظہار صفحات آئندہ میں ہوں گے۔

بیدل اور راسخ کے علاوہ ایک اسکول بلگرامی سادات کا ہے۔ خورشید، امامی اور صفیر وغیرہ اسی خانوادہ کے اہل کمال گزرے ہیں۔ مولانا اسمٰعیل مہر، داجد حسین وجد اور امیر حسین بدر وغیرہ کی شاعری اسی اسکول کی منت پذیر ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی اسکول ہیں جن کو بخوف طوالت نظر انداز کیا جاتا ہے۔

شعرائے بہار کے تذکرہ کے لحاظ سے میں اس مضمون کو چار دور میں تقسیم کرتا ہوں۔ پہلے دور میں چند شعرائے متقدمین کا تذکرہ کروں گا۔ دوسرے میں متوسطین اور تیسرے میں متاخرین کا۔ ان تین ادوار کے علاوہ ایک دور موجودہ شعرا کا بھی ہوگا تاکہ ضمناً یہ بھی معلوم ہو جائے کہ بہار کی موجودہ شاعری کا کیا رنگ ہے۔

برسبیل تذکرہ یہ عرض کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ میں شعرا اور اس کے کلام کے انتخاب میں مطبوعہ کتب کے علاوہ زیادہ تر ان بزرگوں کا رہین منت ہیں جن سے فرداً فرداً مل کر میں نے استفادہ کیا ہے۔ اور ان کے علم سینہ سے خوشہ چینی کی ہے۔

اس مقالہ کی تیاری میں میں نے خصوصیت کے ساتھ بہار
اکثر مقامات کا دورہ کیا اور وہاں کے ان بزرگوں سے جو
اس وقت اپنے علم وفضل کے اعتبار سے بہار کے چشم و چراغ
ہیں، مل کر بہت سے مفید معلومات حاصل کی ہیں۔

پرانے قلمی نسخوں اور بیاضوں کی تلاش میں مشہور لائبریریوں
کے علاوہ بعض ذاتی کتب خانوں کی بھی چھان بین کی ہے۔
میں اپنے بزرگوں کا بدل سپاس گزار ہوں۔

اس سلسلہ میں مجھے بہت سی کار آمد معلومات اپنے ذاتی
کتب خانہ سے حاصل ہوئیں اور اس کے لئے میں اپنے اُن
بزرگوں کو جنہوں نے ان قلمی جواہر پاروں کو جمع کیا ہوگا۔
دعائے خیر سے یاد کرتا ہوں، خدا جزائے خیر سے مشرف فرمائے۔

مطبوعہ کتب میں زیادہ ترخمخانۂ جاوید، گلشن بیخار، نکات
الشعرا، گلشن ہند، بزم سخن، مخزن نکات، نقوش سلیمانی،
چمنستان شعرا، تذکرۂ جلوۂ خضر، تذکرۂ نساخ، تذکرۂ شعرائے اردو،
نوائے وطن، گل رعنا، تذکرۂ گلشن حیات، شعر الہند، تذکرۂ گلزار
ابراہیمی۔ تذکرۂ شعرائے بہار اور مختلف و متعدد رسائل و جرائد
سے مدد لی گئی ہے۔

## دورِ متقدمین

(۱) مرزا عبدالقادر بیدل جن کے بارہ میں حضرت غلام علی[1] آزاد بلگرامی فرماتے ہیں:—

"عمدہ سخن طرازان و شہرہ تحریر پردازان است۔ در اقسام نظم پایہ بلند دو در اسالیب نثر رتبۂ ارجمند دارد۔ درا کلکش چہ قدر معنی بہم رسانندہ وچہ ثمر ہا نورس کہ از نہال قلم افشانندہ خلاصہ کلامش شراب میخانۂ ہوشیاراں وطلائے دستانہ کامل عیاراں ست از آغاز شعور تا دم آخر چشم بر سیاہی معنی دوختہ وچراغ عجیبے بر مزار خود افروختہ۔"

---

[1] یہ وہی سید غلام علی آزاد بلگرامی ہیں جنہیں شاہ یمن نے "حسان الہند" کا خطاب دے کر شقہ مع خلعت فاخرہ کے عنایت فرمایا تھا۔ عرب میں انہی حضرت کا عربی دیوان داخل درس ہے۔ آپ سید محمد نوح بن سید فیروز بن سید الہداد کے فرزند ہیں۔ ۲۵ صفر ۱۱۱۶ھ میں بمقام بلگرام آپ کی پیدائش ہوئی۔ عربی و فارسی دونوں کے بلند پایہ ادیب اور قادر الکلام شاعر تھے۔ تخلص آزاد کرتے تھے۔ آپ کی تصانیف میں ۱۳۔۱۴ کتابیں بہت زیادہ مشہور ہیں۔

اس وقت جب کہ ولی دکنی کا غلغلہ دکن سے دہلی تک بلند ہو رہا تھا۔ بیدل کی شاعری مہ و انجم بن کر بہار پر پرتو فگن تھی۔ بیدل ہی نے دکن کے مقابلہ میں شمالی ہند کی لاج رکھ لی۔

مرزا بیدل آدمی فقیر دل اور صوفی منش تھے۔ دنیاوی عزت و ثروت و شہرت و ناموری کی انہیں کبھی خواہش نہ ہوئی۔ یہ ان کا سب سے بڑا کمال ہے کہ انہوں نے کبھی بادشاہوں کی بیجا تعریف سے اپنی زبان کو آلودہ نہ کیا۔ ایک دفعہ اعظم شاہ نے ان سے اپنی مدح سرائی کی فرمائش کی، تو انہوں نے فقر و قناعت کو اس کی مدح سرائی پر ترجیح دے کر ہمیشہ کے لئے اس کا دربار چھوڑ دیا۔

مرزا صاحب کی طبیعت میں سیر چشمی اور خودداری بہت تھی۔ نظام الملک باوجود اس کے کہ ان کی بڑی عزت کرتا تھا لیکن انہوں نے اس کے دربار میں جانا پسند نہ کیا۔ نظام الملک کی طلب پر یہ مشہور شعر لکھ کر بھیج دیا۔

دنیا اگر دہند نہ خیزم زجائے خویش
من بستہ ام حنائے قناعت بپائے خویش

"(بیدل) بلدۂ عظیم آباد (پٹنہ) میں پیدا ہوئے اور ہندوستان

...ں نشو و نما پائی۔"

مرزا میر خوش سے بڑھ کر مؤلف خمخانۂ جاوید نے بیدل کے بیان میں غیر ذمہ داری اور بے پروائی سے کام لیا ہے معلوم نہیں قابل مؤلف نے کس کتاب کے حوالے سے بیدل کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں۔

"مولانا مرزا عبدالقادر بیدل[1] اصل وطن توران تھا،
مگر یہ بخارا میں پیدا ہوئے۔"

تعجب ہے کہ صاحب خمخانۂ جاوید کی نظر سے تذکرہ جلوۂ خضر گزرا اور نہ آزاد بلگرامی کا تذکرہ "سرو آزاد" ورنہ وہ شاید ایسی صریح غلطی نہ کرتے۔

مرزا بیدل فارسی اور اردو دونوں کے بلند پایہ شاعر گزرے ہیں۔ یہ اردو کی بدقسمتی ہے کہ ان کا اردو کلام بہت کم پایا جاتا ہے لیکن اردو کے وہی چند اشعار جو ملتے ہیں ان کی[2] قادر الکلامی پر دال ہیں۔ فارسی کی طرح ان کے اردو کلام میں بھی زور بیان اور پاکیزگی خیال نمایاں ہے۔

---

(حاشیہ نمبر ۲۶ کا) [1] تذکرہ جلوۂ خضر جلد اول ص ۹۵۔ [2] خمخانۂ جاوید جلد اول ص ۷۸۔

مؤلف "چمنستان شعرا" اور میر صاحب وغیرہ نے ب
کے صرف دو اشعار اُردو کے لکھے ہیں۔ حضرت صفیر بلگرامی نے
سید موسیٰ بلگرامی کی ایک بیاض کے حوالہ سے بیدل کے اور اُ
شعر کا اضافہ کیا ہے۔

نجیب اشرف صاحب ندوی نے اپنے ایک مضمون میں
بیدل کی طرف ایک مزید شعر منسوب کیا ہے۔ لیکن یہ نہیں لکھا کہ آ
یہ شعر انہوں نے کہاں سے لیا۔ پروفیسر نجیب صاحب نے غالباً
شعر اس کے ثبوت میں پیش کیا ہے کہ اس عہد میں اُردو کی ابتد
ہونے کے باعث بیدل کے اُردو کلام میں بھی اکثر الفاظ بھاشا
کے آگئے ہیں، چنانچہ ان کے الفاظ ہیں۔

"اس عہد میں اُردو کی ابتدا تھی اور اس میں اکثر الفاظ بھاشا ہی کے ہوتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت بیدل گردش روزگار سے چلنے لگے تو اپنی منہ بولی ماں کے ہاں جو ایک تیز اور حاضر جواب کنجڑن تھی رخصت ہونے گئے تو کہا ؎"[1]

---

[1] رسالہ اُردو جنوری ۱۹۲۳ء صفحہ ۵۸

سر اوپر کوئی نہیں تپ دشمن آپن کیس
پٹنہ نگری چھانڈ دیں اب بیدل چلے بدیس

مجھے اس شعر کا بیدل کی طرف منسوب کئے جانے سے اختلاف ہے۔ قابل مضمون نگار کو اس شعر کے نقل کرنے سے قبل اس کے ماخذ کا حوالہ ضرور دینا چاہیئے تھا۔

مرزا صاحب نے اُردو میں طبع آزمائی ضرور کی ہے اور اپنے معاصرین میں کسی سے کم نہیں رہے ہیں، لیکن ان کا اصل میدان فارسی ہے، فارسی کلام ان کا بڑے پایہ کا ہوتا ہے، ان کی قابلیت اور علمیت کا لوہا ہر شخص مانتا تھا۔ حد یہ ہے کہ میر صاحب نے کبھی کسی شاعر کی تعریف جی کھول کر نہ کی، ان کے متعلق فرماتے ہیں۔

"شاعر پرزور فارسی، صاحب دیوان پنجاہ ہزار بیت و مثنویات وغیرہ ...... از مذاق شعر او دریافتہ می شود کہ بہرہ کلی از عرفان داشت"[1]

مرزا صاحب کی شاعرانہ قادر الکلامی اور عالمانہ صلاحیت کا ذکر کرتے ہوئے مؤلف چمنستان شعرا لکھتے ہیں۔

---

[1] نکات الشعرا ص ۲

"مانی ارژنگ نگار معانی و اقلیدس سحر کار سخندانی[1]
ست مستشرقان نازک خیالی از انوار آفتاب ضمیر
انورش روشنی گیر جاوید گردیده ......... حقا کہ
در سر زمین ہندوستان مثل ایں سخن پناہ صاحب
کمالے بقید از خواب عدم سر بر نداشتہ

میر حسن نے ان کے فضل و کمال کا اعتراف ان الفاظ
میں کیا ہے ۔

"مرزا[2] عبدالقادر بیدل صاحب طرز فارسی تعریف
در تذکرہائے فارسی مسطور ست بندہ راچہ یارا شمہ
از احوال آں عارف باللہ رقم نماید دو شعر ہندی
ازاں بزرگوار مسموع شدہ نور اللہ مرقدہٗ ۔

مرزا صاحب ماہ صفر ۱۱۳۳ھ میں واصل بحق ہوئے
ان کی تاریخ وفات یہ ہے ؎

شہ[3] زبدۂ ارباب سخن    از غم آباد جہاں خورم رفت

---

[1] چمنستان شعرا ص ۲۴ [2] تذکرہ شعرائے اردو مولفہ میر حسن ص ۵۹
[3] چمنستان شعرا ص ۲۴

گفت تاریخ وفاتش آزاد   میرزا بیدل ازیں عالم رفت

میرزا بیدل کے اُردو کے چند اشعار درج ذیل ہیں ؎

شہرۂ حسن سے از بسکہ وہ محجوب ہوا[1]
اپنے چہرے سے جھگڑتا ہے کہ کیوں خوب ہوا

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں
اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں

جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا[2]
پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم میں

(۲) **جوشش** یہ میاں شیخ محمد روشن جوشش عظیم آباد کے رہنے والے تھے، ان کی تاریخ وفات کے متعلق تو کچھ پتہ نہیں چلتا، لیکن میر حسن کے اس جملہ سے "شخصے می گفت کہ او در تالیف تذکرہ مشغول است" ان کا میر حسن کا ہم عصر ہونا ظاہر ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ میر حسن جس زمانہ میں اپنا مشہور تذکرہ مرتب کر رہے

---

[1] جلوۂ خضر جلد اول ص ۹۸ [2] تذکرہ شعرائے اُردو مؤلفہ میر حسن ص ۵۹
[3] مؤلف جلوۂ خضر نے اس شعر کو اس طرح لکھا ہے ؎ (بقیہ نوٹ ص ۳۲ پر)

جوشش بھی ایک تذکرہ لکھنے میں مشغول تھے۔

مؤلف بزم سخن نے ان کے متعلق بہت مختصر نویسی سے کام لیا ہے لیکن ان کے اسی ایک سطر سے جوشش کے فضل و کمال کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ فرماتے ہیں :۔

"شیخ محمد روشن جوشش باشندہ عظیم آباد فکر بلند وخاطر ارجمند داشت از عروض بہرہ وافی نصیبش گردہ بودند"

نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ ان کی علمیت اور شعر دانی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"جوشش تخلص، شیخ محمد روشن از تازہ خیالان عظیم آباد ست. شعرش صاف وبعض فکرش دل پذیر و دلکش شیوۂ گزیدہ اش گزیدہ طرز پسندیدہ اش پسندیدہ معہد اور نکر فن عروض بسیار مہارت دل خواہ داشت۔"

---

(بقیہ ص ۴۱) اس دل کے آستاں پر جب عشق آ پکارا

پڑھنے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم ہیں

۲۔ بزم سخن ص ۳۷

کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:

وہ زمانہ کیا ہوا جو مری گریہ میں اثر تھا
یہی چشمِ خونفشاں تھی یہی دل یہی جگر تھا

جیسا کہ دل پہ زخم ہے اس کے خدنگ کا
گلشن میں ایک گل نہیں اس آب و رنگ کا

اس کی آنکھوں کو دیکھیں اے جوشش
منھ تو دیکھو شراب خواروں کا

جز چشمِ بتاں میکدۂ دہر میں جوشش
ہم نے تو کسی مست کو ہشیار نہ پایا

کل جو اسے دیکھ کر ہو گئے ہم بے خبر
ہنس کے وہ کہنے لگا پھر کبھی ادھر دیکھنا

حیراں ہوں کس طرح وہ انساں میں جلوہ گر
جلوہ سے اس کے طور تو جل خاک ہو گیا

نہ پھولتے ہیں شگوفے نہ غنچے کھلتے ہیں
چمن میں شور پڑا کس کے مسکرانے کا

دیکھیے ہم میں اور ان آنکھوں میں کیا ہوتی ہے
لہو کے پیاسے ہیں وہ تشنۂ دیدار ہیں ہم

دود کی طرح میں دل سوختہ جاتا ہوں جدھر
اپنے احوال پہ عالم کو رُلا آتا ہوں

بیکسی سے یہی گلا ہے مجھے
تھام لینی ہے دست قاتل کو

اس کی رنجش کا تجھے خوف عبث ہے جوشش
ہو چکا ہے وہ اسی طرح سے سو بار خفا

جوشش کے کلام میں جہاں عروض دانی کا کمال پایا جاتا ہے، وہاں ان کے خیالات کی بلندی، بندش کی چستی زبان کی شستگی اور بیان کی روانی بھی قابل داد ہے۔ جوشش کے ہر شعر میں جدّت پائی جاتی ہے۔

(۳) شیخ محمد عابد دل۔ یہ حضرت شیخ محمد روشن جوشش کے چھوٹے بھائی ہیں۔ مورخین نے ان کو جسونت رائے ناگر کی اولاد میں لکھا ہے۔ وطن عظیم آباد تھا۔ اپنے معاصرین میں بہت بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ فارسی اور عربی دونوں کے جیّد عالم تھے۔ فارسی کے علاوہ اُردو میں بھی آپ نے طبع آزمائی کی ہے، اُردو کا کلام بہت صاف اور پاکیزہ ہوتا ہے۔ مؤلف خمخانۂ جاوید ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"دلی۔ شیخ محمد عابد متوطن عظیم آباد اپنے زمانہ کے بے مثل اور بے نظیر عالم تھے ...... غرضکہ آپ پسندیدہ اطوار حمیدہ خصال اور طریقہ یکرنگی میں بے مثل سمجھے جاتے تھے۔

نمونہ کلام حسب ذیل ہے :۔

تیری زلفوں سے بہت دن یہی تقصیر ہوئی
نقد جاں لیجئے حاضر ہے گنہگاری دل

نالے ہی سدا بھر بھر دن عمر کے بھرتے ہیں
ہیں نزع میں ہم تجھ بن جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

جوں آئینہ یہ ستم رسیدہ
رہتا ہے مدام آب دیدہ

تھامے در پہ جو نہ رہاں نے آستیں پکڑی
برنگ نقش قدم ہم نے بھی زمیں پکڑی

(۴) میر مظہر علی جذب عظیم آبادی۔ فارسی اور اُردو دانوں میں کلام موزوں کرتے تھے۔ میر حسن کے زمانہ میں موجود تھے۔ سوائے تذکرہ شعرائے اُردو کے اور کہیں اُن کا ذکر نہیں ملتا اور وہ بھی بہت مختصر۔ میر حسن صاحب اُن کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"میر مظہر علی المتخلص بہ جذب در عظیم آباد استقامت

دارد گاہ گاہے فکر ریختہ می نماید۔ سلامت باشد۔"

جذب کا یہ شعر مشہور ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

ہے جنوں کا زور طوفاں اندنوں میں ہوں اور میرا گریباں اندنوں

(۵) علی نقی خاں انتظار کے حالات بھی جذب کی طرح بیشتر پردۂ فنا میں ہیں۔ تھوڑی بہت رہبری میر حسن[1] نے اپنے تذکرہ میں کی ہے۔ فرماتے ہیں :-

"علی نقی خاں المتخلص بہ انتظار بطرف عظیم آباد استقامت دارد از احوالش معلوم نیست سلمہ اللہ تعالیٰ"[2]

انتظار کا صرف ایک شعر راقم السطور کو یاد ہے۔ ملاحظہ ہو: ؎

صدف مشتاق ہیں دریا میں اے نیساں گوہر کے
یہ میری چشم پر پھینکے ہیں بھر بھر کر خوان گوہر کے

(۶) راجہ بہادر المتخلص بہ راجہ یہ وہی راجہ بہادر ہیں جن کے والد راجہ شتاب رائے کے فیض و کرم کے دہلی اور لکھنؤ کے بہت سے شعراء منت کش ہیں۔ دہلی کے انحطاط کے بعد

---

(مسودہ ۳) [1] تذکرہ شعراء اردو مولفہ میر حسن صفحہ ۶ - [2] تذکرہ شعرائے اردو صفحہ ۵

جو حالت لکھنؤ کی تھی وہی حالت راجہ شتاب رائے کے دربار کی تھی
ہر طرف سے صاحبان فضل و کمال سمٹ سمٹ کر آتے اور مہاراجہ
کے دامن علم پرور میں پناہ لیتے فغاںؔ وغیرہ ان ہی کے دربار
کے "رتن" ہیں۔

مؤلف خمخانۂ جاوید نے راجہ بہادر کے متعلق مختصر نویسی سے
کام لیا ہے۔

نواب شیفتہ نے تذکرہ گلشن بیخار میں ان کا ذکر کیا ہے۔
لکھتے ہیں :-

"راجہ تخلص، راجہ بہادر فرزند راجہ شتاب رائے ناظم
بنگال و بہار بودہ"

اس وقت صرف ان کا ایک ہی شعر راقم السطور کو ملا ہے،
جو پیش کرتا ہوں :-

یہ زخم دل ہمارے مرہم تلک نہ پہنچے
ہم ان تلک نہ پہنچے وہ ہم تلک نہ پہنچے

(۷) **بعیت قلی خاں حسرتؔ**۔ فغاں اور
آرزو وغیرہ کے ہم عصر بڑے بذلہ سنج اور حاضر جواب تھے
مؤلف گلشن ہند نے اپنے تذکرہ میں ان کا ذکر کیا ہے لکھتے ہیں :-

"(حسرت) بڑے ہی لطیفہ گو اور حاضر جواب تھے۔ بذلہ گوئی اور علم مجلس میں انتخاب تھے۔ قریب دو ہزار بیت کے دیوان اس عالی دودمان کا ہے۔"

گلشن بیخار میں بجائے ہیبت قلی خاں کے ہیبت قلی خاں لکھا ہے۔ لیکن میرے خیال میں یہ صحیح نہیں ہے۔ مؤلف گلشن بیخار ان کو مرزا مظہر کا شاگرد بتاتے ہیں۔ لکھتے ہیں :۔

"حسرت تخلص ہیبت قلی خاں نام از اہل عظیم آباد ست کسب سخن از مرزا مظہر کردہ۔"

کلام کا نمونہ یہ ہے :۔

رات کا کچھ ہوا خواب مرا ٭ ڈھل گیا صبح آفتاب مرا
زلف و رخِ یار دیکھتا ہوں ٭ لیل اور نہار دیکھتا ہوں
فرہاد سے ہمسری کرے کون ٭ سر گس کا پھرا ہے یوں مرے کون
سنا ہے آج میخانہ میں جام مے پہ مستوں نے
لٹایا دین و دنیا دونوں ہمت اس کو کہتے ہیں
نہ غرور مرے عجز کے مقابل ہے ٭ اُدھر پہاڑ اِدھر ایک شیشۂ دل ہے
غزل کے ساتھ ساتھ دو رباعیاں بھی ملاحظہ ہوں :۔
زاہد جو نہیں ہے بے خبر دل سے آگاہ ٭ کہتا ہے کہ کافرے تو اے دے دیا

اس حسن کی پرستش میں کھو کیا یارو ÷ آتا ہے وہ بت دیکھو اللہ اللہ
ساقی میں کیا پھرے ہے ٹھٹکی ٹھٹکی ÷ زاہد و واعظ سے دور بھٹکی بھٹکی
شیشی سے ڈرے نہ محتسب ہے ہر گز ÷ یہ دختر رز ہے جس سے اٹکی اٹکی

(۸) میر غلام حسین شورش عظیم آباد کے بلند پایہ شاعروں میں گذرے ہیں۔ میر محمد باقر حزیں سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ مؤلف شعرالہند نے ان کے کلام کی بڑی تعریف کی ہے۔ لکھتے ہیں:-

"(شورش[۱]) عظیم آباد کے رہنے والے ہیں، اردو شعرا کا ایک تذکرہ بھی لکھا ہے۔ میر باقر حزیں کے شاگرد ہیں۔ کلام کا رنگ استادانہ ہے"

ان کی سنہ پیدائش کا علم نہیں۔ سنہ وفات میں تذکرہ نویسوں نے اختلاف کیا ہے۔ نواب شیفتہ سنہ ۱۱۹۰ھ میں ان کی رحلت بتاتے ہیں:-

"شورش[۲] تخلص میر غلام حسین از ارباب عظیم آباد ست......
وفاتش در ۱۱۹۰ھ نوشتہ اند"

---

[۱] شعرالہند جلد اول صفحہ ۱۹۵ [۲] گلشن بیخار صفحہ ۱۱۴

تذکرہ کریم الدین میں سنہ وفات ۱۱۹۵ لکھا ملتا ہے لیکن میرے خیال میں نواب شیفتہ کی رائے زیادہ صحیح ہے میں نے اور بھی کئی تذکروں میں سنہ وفات ۱۱۹۰ ہی دیکھا ہے۔ "پٹنہ خدا بخش خاں کی لائبریری" میں گلشن بیخار کا جو ایک قلمی نسخہ ہے اس میں بھی سنہ ۱۱۹۰ ہی لکھا ہے۔ یہ نسخہ ۲۵ شوال سنہ ۱۲۵۵ھ کا لکھا ہوا ہے اور اس لئے قدامت کی بنا پر زیادہ قابل قبول ہے۔

مولوی کریم الدین صاحب نے اپنے تذکرہ میں شورش کو مغرور اور متکبر لکھا ہے لکھتے ہیں :۔

"شورش خواہر زادہ ملا میر وحید اور شاگرد میر باقر حزیں کا بہت مغرور اور متکبر تھا۔ اس کا ایک دیوان بھی ہے سنہ ۱۱۹۵ھ میں فوت ہوا"

مؤلف گلشن بیخار نے ایک شعر ان کا نقل کیا ہے :۔

رقیب گرچہ بہت برخلاف ہے شورش

ہو اگرے ہمیں ہے یار اپنے کام سے کام

---

ا۔ تذکرہ کریم الدین ص ۳۴۷

مؤلف شہر الہا۔ نے ان کی ایک رباعی لکھی ہے، وہ بھی

ہدیۂ ناظرین ہے: ؎

کسی کو غم سے غرض ہے کسی کو جام سے کام
قسم مغاں کی ہے ساقی کے مجھکو نام سے کام
ہماری صبح رخِ یار شام زلفِ نگار
نہ مہر و ماہ کے ہے ہم کو صبح و شام سے کام

(۹) **شاہ رکن الدین عشق**۔ یہ حضرت شاہ گھسیٹا

کے نام سے بہت زیادہ مشہور تھے۔ ان کے فضل و کمال کا کیا کہنا، میاں فدوی ان کے شاگرد عقیدت کیش، میر حسن ان کے ثنا خواں اور کون تذکرہ نویس ایسا ہے جس نے ان کا نگاہ عقیدت و ارادت کے جذبہ سے متاثر ہوئے بغیر کیا ہو۔ میر حسن صاحب اپنے تذکرہ میں کچھ عجیب ارادتمندی کے ساتھ ان کا ذکر کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:—

"خورشید سپہر حال و سپہر خورشید کمال مالک گنج دقائق و کاشف رموز حقائق کلامش بہ مذاق تصوف آشناد

---

لہ تذکرہ میر حسن صہ ۱۲۸ - ۱۲۹

نورِ صفائے باطنش چوں آئینہ صبح دل کشا درعین صفا۔ عارف صاحب کمال و درویش بے مثال عرف مرزا گھسیٹا المتخلص بہ عشق۔ مرد صوفی ست کہ خیل مریداں و معتقدان حلقہ غلامی دارند۔ الحال از مدتے ترک روزگار نمودہ بہ عظیم آباد مقیم ست۔ مرزا فدوی از شاگرداں و معتقدان او ست۔ شعر عارفانہ در کلامش بسیار ست"

ممکن ہے کہ ہمارے بعض دوستوں کو یہ اعتراض ہو کہ شاہ گھسیٹا کو عظیم آبادی شعرا میں کیوں شمار کیا گیا۔ یہ صحیح ہے کہ عشق صاحب شاہجہاں آباد میں پیدا ہوئے۔ لیکن کیا جس بہار نے انہیں اپنے دامن عاطفت میں پال کر پروان چڑھایا اسے اتنا بھی حق نہیں کہ وہ انہیں اپنے فرزندوں میں شمار کرے؟ میں نے قصداً فغاں اور میر محمد باقر حزیں کا ذکر عظیم آبادی شعرا میں نہیں کیا ہے، اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ بہار میں بہت کم عرصہ تک رہے۔ لیکن شاہ گھسیٹا کا جن کی زندگی اور شاعری کا بیشتر حصہ بہار کے ماحول کا منت پزیر ہے تذکرہ بہاری شعرا میں نہ کرنا ایک ناقابل

غلطی تھی۔ اگر ملکہ نورجہاں ایرانی نژاد ہونے کے باوجود
ہندوستانی ملکہ کہلا سکتی ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ میں شاہ
گھسیٹا یا میاں ندوی کو عظیم آبادی شاعر نہ کہوں۔
نواب شیفتہ نے بھی عشق کو عظیم آبادی شاعر لکھا ہے۔

ہیں :۔
"عشق تخلص شاہ رکن الدین معروف بہ شاہ گھسیٹا از
سخن پروران معروف عظیم آباد ست بوقار زندگی کردہ"
میرزا علی ابراہیم گلشن ہند میں اس صوفی منش شاعر کی
بابت اس طرح رقمطراز ہیں :۔
"عشق تخلص، شاہ رکن الدین نام شاہ گھسیٹا کرکے
مشہور تھے ...... ایام شباب میں شاہ جہان آباد
سے مرشد آباد میں آگئے ...... بعد ایک عرصہ
کے اپنے بزرگوں کے طور پر خراج فقر و درویشی کی
طرف آیا اور نتیجہ فضل ایزدی پر کرکے طور استقامت
کا عظیم آباد میں ٹھہرایا۔ پھر تو نہایت زور شور کے
ساتھ مشیخت پناہی کی اور معتقدوں کے ہجوم سے
عالم درویشی میں شاہی کی طالبان راہ حق کو ہدایت

گلشن ہند ۱۳۴

مطلب سے خالی نہ چھوڑا...... دیوان اس مشیخت دستگاہ
کا زبان ریختہ میں مرتب ہے"

حضرت عشق کے کلام کا انداز وہی ہے جو حضرت مظہر اور
خواجہ درد کا ہے۔ کہیں کہیں زمین بحر اور قافیہ کا بھی اتحاد
پایا جاتا ہے۔ حضرت خواجہ درد کی مشہور غزل ؎

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد کے آگے تو یہ دستور نہ تھا

پر عشق نے جو غزل لکھی ہے اس کے دو چار اشعار ملاحظہ ہوں۔

چین ہی اس دل بے تاب کا منظور نہ تھا
ورنہ آنا ترا مجھ پاس تو کچھ دور نہ تھا

کچھ نئی طرز ملاقات نکالی اب تو
ورنہ آگے ترے ملنے کا دستور نہ تھا

حضرت عشق کے صوفیانہ اور عاشقانہ کلام کا نمونہ درج
ذیل ہے :؎

اس کافر بے دین کی کیا بات کہے کوئی
کعبہ کو بنا ڈالا بت خانہ محبت کا

---

سمجھے کہ کیا ہے کفر و اسلام ؛ اِن دونوں سے جب گزر گئے ہم
عبہ و دیر سے کسے کام ؛ مقصود تھا تو جدھر گئے ہم
شق نہ سمجھے کفر و دیں کو ؛ طرفین سے بے خبر گئے ہم

---

انہ کو جاتے ہیں نہ کعبہ میں بھٹکتے ہیں
جہاں تم پاؤں رکھتے ہو وہاں ہم سر پٹکتے ہیں

---

ستہ تری ذات سے بستی ہے جہاں کی
جب تو نہ ہوا خلق میں ویرانہ کہیں گے

---

پوچھتے ہو مجھ سے کہ کیوں تو نے رو دیا
دل نے کیا تھا جمع سو آنکھوں نے کھو دیا

---

اور جان دینے میں تقصیر کچھ نہ کی
عشق اس نے جو طلب کیا ناچار سو دیا

---

ت یادش بخیر اے یارو ؛ آگے آتا تھا اب نہیں آتا
نے رو رو کے اسکو رام کیا ؛ وہ آنکھوں نے ایک کام کیا
ت دل ہوئے دیدہ آتا ہے ؛ ٹوکو مت! نور دیدہ آتا ہے
دھڑکتا ہے آج کچھ بے طور ؛ کوئی خنجر کشیدہ آتا ہے

---

تیر کے نام پہ تڑپتا ہے ٭ اس طرح کا کہیں جگر

خانماں کر چکا ہوں میں برباد ٭ تو بھی وہ میرے گھر نہ

نے وہ دل ہے باقی نے آہ و نہ فغاں ہے

اے سوز عشق سچ کہ تو ان دنوں کہا

ڈرے اس کے زباں پہ حرف نہیں ٭ تس پہ ہے بدگماں کیا ہے کہ

حرم میں نام سنا دیر میں نشان پایا ٭ سوائے تیرے نہ دیکھا غرض جہا

کہ بعد قتل مجھ کو کس طرح چین آ گئے

جو حسرتیں دل میں سوجوں کی توں ہ

اوروں کا جگر یار جو تیروں سے ہے

یہ عاشق جاں باختہ کس دن کے لی

زلف نے جس کے تئیں دکھائی شام ٭ دوسری پھر اسے نہ آئی ر

دل لیکے پوچھتے ہو کہ دلدار کون ہے ٭ ہم کس طرح کہیں کہ طرحدار کون

(۱۰) مرزا محمد علی فدوی — یہ میاں فدوی ش

گھسیٹا کے خاص شاگردوں میں تھے۔ نظم ریختہ میں بہت بل

پایہ رکھتے تھے۔ ان کے ہمعصر انہیں ہجو کے نام سے زیادہ جانتے

اپنے استاد شاہ گھسیٹا کی طرح یہ پیدا شاہ جہاں آباد می

ہوئے لیکن پروان عظیم آباد میں چڑھے اور آج بھی ریختہ

یہ مایۂ ناز شاعر عظیم آبادی کے ایک گوشہ میں محوِ خواب ہے۔

ابتدا میں احمد شاہ کے حضور میں وقائع نگاری پر مامور تھے۔ ایام جوانی ہی میں عظیم آباد چلے آئے تھے اور آخری وقت تک یہیں رہے۔ مؤلف گلشن بیخار نے ان کا تذکرہ کیا ہے لکھتے ہیں:-

"فدوی تخلص مرزا محمد علی نام مشہور بہ مرزا بجو از سکنائے جہاں آباد بوقائع نگاری در حضور احمد شاہ مامور بود آخر الامر بہ عظیم آباد سکونت و استصلاح از شاہ گھسیٹا عشق نمود"[۱]

فدوی صوفی منش تھے اور موسیقی کے دلدادہ۔ ان کی شاعری میں کمال فن کے علاوہ درد بہت کافی پایا جاتا ہے۔ مؤلف گلشن ہند ان کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"(فدوی) نظم ریختہ میں استاد ہے۔ تلاش معنی میں فکر رکھتے تھے، اور بیان حسن میں دل درد آشنا علم موسیقی میں مناسبت رکھتے تھے ............ چند روز مرشد آباد میں بسر کی ............ آخر شہر عظیم آباد

---

[۱] گلشن بیخار صفحہ ۱۴۲ [۲] تذکرہ گلشن ہند صفحہ ۱۳۲

میں سکونت کا اتفاق ہوا۔

کلام کا نمونہ درج ذیل ہے: ؎

گالیاں کیونکر نہ دیوے تو نے فدوی چھیڑ چھیڑ
ایک تو وہ تھا ہی اس کو اور بھی بد خو کیا

چل ساتھ کہ حسرت دلِ محروم سے نکلے
عاشق کا جنازہ بھی ذرا دھوم سے نکلے

گر خاک پہ میری کبھی اے یار گزر ہو مت بھول کے ہرگز مع اغیار گزرنا
ضد دیکھو خوباں کی کہ اک آن کی خاطر نہ مر جائے جو عاشق تو زنہار گزرنا

بن ملے تو یہ حال ہے فدوی نہ وہ ملے گا تو کیا غضب ہوگا

کل یار کے کوچہ کی طرف گزرے گا فدوی
مت آج سے اس طرف کو اغیار گزرنا

ہم کو تو وفا سے نہیں اے یار گزرنا
پر تو بھی جفا سے نہ ستمگار گزرنا

تجھ کو ان ہی آنکھوں کی قسم تیر نگہ ہے
ٹک دل کو بچا سینہ کے تو پار گزرنا

جب یار کے آگے سے چلے قافلہ دل کا
اے اشک تو ہو قافلہ سالار گزرنا

(۱۱) حضرت شاہ احسان اللہ چشتی نظامی قدس سرہٗ المتخلص فخریؔ حضرت مخدوم فرید طویلہ بخش کے جانشیں اور اولادوں میں تھے۔ آپ بہار شریف محلہ چاند پورہ کی بزرگ ترین ہستیوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ شعر و سخن کا ذوق تھا۔ مگر کلام فارسی میں موزوں فرماتے۔ آپ کا اردو کلام نایاب ہے۔ اس مضمون کی ترتیب کے سلسلہ میں راقم السطور کا بہار شریف بھی جانا ہوا۔ وہاں میں حضرت مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری رح کے خاندان کے اکثر لوگوں سے ملا۔ اسی خاندان کے ایک بزرگ سے مجھے حضرت فخریؔ کی ایک نظم دستیاب ہوئی ہے جو میں شکریہ کے ساتھ درج ذیل کرتا ہوں جس قلمی بیاض سے میں نے یہ نظم نقل کی ہے اس میں اس نظم کی وجہ تنظیم بھی فارسی میں لکھی ہوئی ہے جس کا لب لباب یہ ہے :- حضرت شاہ احسان اللہ چشتی رح سے اور حضرت شاہ علیم الدین فردوسی رح سجادہ نشین حضرت مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ سے خلوص محبت کے گہرے تعلقات تھے۔ حضرت شاہ علیم الدین رح کے کوئی اولاد ذکور نہ تھی جس سے یہ اکثر ملول خاطر رہا کرتے

چنانچہ ایک دن شاہ احسان اللہ چشتیؒ سے اظہار مدعا کیا۔ شاہ صاحب موصوف نے اپنے عزیز دوست کو حضرت مخدوم جہاں کے آستانہ پر حاضر ہونے کی صلاح دی اور خود یہ مناجات (نہ بہ نظر نظم) لکھی اور پھر دونوں بزرگوں نے مخدوم جہاں کے آستانہ پر حاضر ہو کر بہ سوز گداز یہ مناجات پڑھی۔ دعا کی برکت سے حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ عالم وجود میں آئے۔"

اس نظم کے آخر میں (مناجات) کا سنہ تنظیم ۱۱۸۵ھ لکھا ہے جس سے یہ بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس عہد میں (یعنی ۱۶۸ برس قبل) بہار کی زبان کیسی تھی۔ مناجات یہ ہے:-

با شرف دیں تجھ شرف سے جملہ عالم پر شرف
جملہ عالم پر شرف ہے تجھ شرف سے ہر طرف
ظلم کرنا چاہتا ہے حاسدِ ناداں حرف
مشکلیں آساں کرو میری اے شاہِ نجف

ایک تو میں ہوں اکیلا دوسرے سُن سان ہے
تس او پران حاسدوں کے داد کا گھمسان ہے
تم کرو آباد اس جنگل کو جو ویران ہے
مشکلیں آساں کرو میری اے شاہ نجف

ک میں ہوں در کا تمہارے اپنا جھوٹا دو مدام
مت کھلاؤ تم کسی ناپاک کے گھر کا طعام
گرچہ سختی ہو مجھے پر دور رکھو از حرام
مشکلیں آساں کرو میری پئے شاہِ نجف

جو مرادیں تھیں مری سب تم نے بر لایا شتاب
شاد ہیں سب دوست میرے اور ہیں دشمن کباب
آرزو اک اور میں رکھتا ہوں اے عالی جناب
مشکلیں آساں کرو میری پئے شاہِ نجف

وہ مراد اب دل کی میرے زود تم حاصل کرو
حاسدِ بدخو کی باتوں کے تئیں باطل کرو
دین اور دنیا میں مجھ پر اک نظر کامل کرو
مشکلیں آساں کرو میری پئے شاہِ نجف

یا شرف دیں تجھ سے میں رکھتا ہوں میں یہ التجا
شاہ علیم الدیں کو دے تو اک پسر بہر خدا
ورنہ چنگل میرا اور دامن ترا روزِ جزا
مشکلیں آساں کرو میری پئے شاہِ نجف

گرچہ سب احساں کیا احساں پر احساں ہے یہ آرزو یہ دوسری پوری کرو تو جان ہے

یا شرف دین جان کیا اپنا تلک قربان ہو — مشکلیں آساں کرو میری پہ شاہ نجف

سال ہجری گیا رہواں اور اس کا تاریخ ہے ۔ یہ حکایت بر زبانہا ہو تم منسوب سارخ ہے

لگ رہی اب دلیں پہ تیر عشق کی سو تاریخ — مشکلیں آساں کرو میری پہ شاہ نجف

رات دن کو دور دو فخری یا مظفر شاہ دین ۔ یا مظفر شاہ دین حاجت روائے سر زمیں

آرزو کو تم سے پوچھو دل کو مرتقیں — مشکلیں آساں کرو میری اے شاہ نجف

## دور متوسطین

یہ شعرائے متوسطین کا دور ہے ۔ مرزا بیدل اور تخلص کے مسند فاخرہ پر میاں راسخ، فرد اور امین وغیرہ جلوہ افروز ہیں ۔ ان کی زبان پہلے شعرا کی بہ نسبت کافی صاف ہو چکی ہے ۔ نہ وہ پرانی تراکیب ہیں اور نہ فارسی یا بھاشا کی بھرمار ۔ الفاظ کے اخذ و ترک کی کارفرمائی ہے ۔ اس دور کے نمائندہ شعرا حسب ذیل ہیں :

(۱) شیخ غلام علی راسخ (ولادت ۱۱۶۲ھ وفات ۱۲۳۳ھ) کسے خبر تھی کہ عظیم آباد پٹنہ کے ایک گاؤں "سائیں" میں پیدا ہونے والا شاعر ایک دن میر جیسے استاذ مستغنی ہستی سے خراج تحسین وصول کرے گا ۔ آسمان شعر و

لے راسخ محلہ لودیکٹرہ عظیم آباد میں مدفون ہیں ۔

شاعری کا آفتاب "مشرقی" سے ۱۱۶۲ھ میں طلوع ہوا اور تمام عالم کا چکر لگا کر آخر ۱۲۳۵ھ میں "مشرق" ہی میں جا چھپا۔ نواب شیفتہ نے اپنی "تالیف گلشن بیخار" میں راسخ کا سنہ وفات ۱۲۴۰ھ لکھا ہے۔

"راسخ تخلص غلام علی نام در سنہ یک ہزار و دو صد و چہل فوت شدہ"[1]

لیکن گلشن بیخار کے علاوہ جتنے اور معتبر تذکرے ہیں سب میں راسخ کا سال وفات ۱۲۳۵ھ بتایا گیا ہے۔ راسخ صاحب کی تلمذ مختلف فیہ ہے۔ علامہ آزاد انہیں مرزا سودا کا شاگرد بتاتے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

"راسخ عظیم آبادی کا دیوان میں نے دیکھا ہے۔ بہت سنجیدہ کلام ...... مرزا کے پاس شاگرد ہونے کو آئے۔ مرزا نے کہا کوئی شعر سنائیے۔ انہوں نے پڑھا:

ہوئے ہیں ہم ضعیف اب دیدنی رونا ہمارا ہے
پلک پر اپنی آنسو صبح پیری کا ستارہ ہے"

---

۱؎ گلشن بیخار ص۵۵

مرزا نے اٹھ کر گلے سے لگا لیا۔

مگر جناب شاد عظیم آبادی انہیں میر کا شاگرد بتاتے ہیں، اپنی تالیف نوائے وطن میں لکھتے ہیں :-

"جب شیخ راسخ ان سے ملنے گئے تو میر صاحب نے کہلا بھیجا کہ میاں کیوں ستانے آئے ہو۔"

لیکن جب شیخ صاحب نے ٹھیکری پر یہ شعر:

خاک ہوں پر توتیا ہوں چشم مہر و ماہ کا
آنکھ والا رتبہ سمجھے مجھ غبار راہ کا

لکھا تو میر صاحب فوراً گھر سے نکل آئے اور گلے سے لگا کر کہا کہ بھئی مزاج مبارک؟ کہاں سے آئے ہو اور کیوں مجھ غریب کو سرفراز کیا۔"

مؤلف خمخانۂ جاوید نے راسخ کو کہیں میر و سودا کا ہمعصر بتایا ہے تو کہیں شاہ گھسیٹا عشق کا شاگرد لکھا ہے۔ عجب ثم العجب۔

جنوری ۱۹۳۵ء کے نگار میں "بہار سکول کی شاعری" کے عنوان سے ایک محققانہ مضمون لکھتے ہوئے عبدالمالک صاحب آروی نے شیخ راسخ کو حضرت شاہ نور الحق تپاں کا شاگرد بتایا ہے،-

لیکن کوئی دلیل یا حوالہ اس کے ثبوت میں نہیں پیش کیا ہے۔ مجھے اس بیان سے اختلاف ہے۔

میں شیخ راسخ کے تلمذ کے بارہ میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ علامہ آزاد کے مطابق راسخ مرزا کے شاگرد تو ہرگز نہیں ہو سکتے البتہ جناب شاد کی رائے سے صرف اس حد تک اتفاق کیا جا سکتا ہے کہ راسخ نے میر صاحب کو اپنا کلام دکھایا ہے۔

لیکن کلام دکھانے سے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انہوں نے اصلاح بھی لی ہو۔ راسخ کا پہلا شعر جو انہوں نے بوقت ملاقات میر کو سنایا تھا۔ بتلاتا ہے کہ اس کا کہنے والا اصلاح سے بے نیاز ہو چکا تھا، اور پھر راسخ مرحوم کے دیوان پیش کرنے پر میر صاحب کا یہ فرمانا :-

"بھئی تم سمجھے بوجھے آدمی ہو تمہیں اصلاح کی کیا ضرورت"۔

ظاہر کرتا ہے کہ راسخ صاحب دیوان تھے اور میر کی نظر میں اصلاح سے بے نیاز تھے۔ میر صاحب اس وقت کے بلند پایہ اور پرانے استادوں میں تھے اور راسخ نوجوان۔ قیاس یہ ہے کہ راسخ نے اظہار عقیدت مندی کے لئے میر صاحب کو اپنا دیوان بھی دکھایا ہوگا اور دو چار شعر ان کی استادی کے اعتراف اور

اپنی ارادتمندی کے اظہار میں بھی کہے ہوں گے، جیسا کہ راسخ کے ایک غیر مطبوعہ شعر سے اس کی شہادت ملتی ہے۔ شعر ہے: ؎

ہوا ہوں عالم باطن میں پرورش تربیت راسخ
اولیسیہ[1] ارادت ہے جناب میر سے مجھ کو

درحقیقت یہ ہے کہ راسخ محمد علی فدوی کے شاگرد تھے۔ ابتدا سے انھوں نے انہی کے فضل و کمال سے اصلاح سخن لی اور یقیناً راسخ صحیح طور پر فدوی ہی کے تلمیذ کہے جا سکتے ہیں۔ راسخ کا ایک غیر مطبوعہ شعر ہے۔ ملاحظہ ہو: ؎[2]

شاگرد ہیں گے حضرت فدوی کے بے شمار
راسخ ہوں ایک میں بھی ولے کس شمار میں

راسخ کے کلام پر نظر ڈالنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے

---

[1] اس لفظ اولیسیہ سے ظاہر ہے کہ راسخ کو میر سے محض ارادتمندی تھی۔

[2] اس شعر کے لیے میں شکر گذار ہوں عزیز محترم پروفیسر شاہ عطاء الرحمن صاحب عطا ایم اے کا جن کے علمی ذخیرہ سے میں نے اس سلسلہ تحقیق میں کافی استفادہ کیا ہے۔ عطا صاحب ہمارے وطن کے ایک قابل نثر نگار اور بلند پایہ شاعر ہیں۔ تذکرہ آگے آئے گا۔ ۱۲

کہ جناب شاد کے وہ جملے بھی جو انہوں نے اس سخن سنج باکمال اور شاعر دردمند کی شان میں اظہار عقیدت کے لئے استعمال کیے ہیں۔ لکھ دوں :-

"شیخ مرحوم کے اوصاف میں سے ایک یہی جملہ کافی ہے کہ وہ فطری شاعر اور طبعی موزوں طبع تھے خطۂ بہار کو اس عزیز کے نام ہی سے افتخار اور اس کی استادی پر مباہات ہے۔"

۱۳۱۱ھ میں ان کا کلیات خیر المطابع عظیم آباد سے چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ راسخ کے کلام میں جہاں زبان اور مضمون کی متانت ہے وہاں خیالات کی پاکیزگی اور سلاست بیان بھی کافی پائی جاتی ہے۔ مثنوی میں ان کا انداز میر سے مل جاتا ہے۔ مثلاً :

اے عشق امام ہے تو میرا ÷ دین ہے اسلام ہے تو میرا
تو جان جسم ناتواں میں ÷ ہووے جو نہ تو تو پھر کہاں جی
ہے اک کفنی سوز عفرانی ÷ اشکوں کا ہے رنگ ارغوانی

ان کے کلام میں رعایت لفظی اور جوش بیان کی مثالیں کافی ملتی ہیں۔ تصوفانہ رنگ بھی غالب ہے۔ علم موسیقی سے

دلچسپی تھی۔ چنانچہ جب تک نغموں سے دل پُرکیف نہ ہو جاتا۔ شعر گوئی کی طرف متوجہ نہ ہوتے تھے۔

نمونۂ کلام حسب ذیل ہے:

سارے خطِ شوق میں میں نے یہی رو رو لکھا
ہائے صاحب کیا کیا تم نے جدا ہم کیوں ہوئے

خوں بہا میرا یہی ہے کہ کہو ہائے یہ میرا کُشتۂ تمنا ہے

لذتیں غم کی تیرے ہو جیو راسخ پہ حرام
دل میں کچھ اور اگر غم کے سوا رکھتا ہے

رُخِ زیبا دیا گل کو دلِ بے صبر بلبل کو
اسے خنداں کیا پیدا اسے گریاں کیا پیدا

میری متاعِ عجز بھی کی ناپسند ہائے یہ بولے کہ اس متاع پہ تجھ کو غرور تھا

دکھلائے ترک جو نظارہ دلدار کیا ہائے پرہیز نے دوا ہیں بیمار کیا

تم نے راسخ تنِ عریاں پہ جو توڑے ناخن
کیا نمک پاشی کا اس شوخ نے اقرار کیا

کہاں کی لیلیٰ و مجنوں یہ اسمائے فرضی ہیں
مسمّٰی اور ہی شے تھا نہ لیلیٰ اور مجنوں تھا

چراغِ خانہ مت سمجھو چراغِ عشق کو راسخ

کہ اس میں چاہیئے روغن ہر اس میں خون تمنا کا

فردوس ہے وہ نکلا میں کوچہ جاناں سے

رونے کو مرے ہونچا رونا کہاں آدم کا

پابندِ تعلق نہیں ہوتا عاشق ٭ آزاد ہے ہر شئے سے یہ آزاد محبت

مدعائے عالم سے اپنا ہی فقط دیدار تھا

دید کو اپنی یہ آئینہ اسے درکار تھا

ہوا دیوانہ ہر فرزانہ تیرا ٭ بہت فرزانہ ہے دیوانہ تیرا

مت پوچھیئے مجھ سے حال میرا ٭ حیرت زدہ کیا بیاں کرے گا

کفر بھی اک شان جلوہ بھی اسی دلبر کی ہے

شیخ کیوں تو برہمن سے برسر پیکار تھا

طالبانِ یار کی منزل تو غیر از دل نہیں

کعبہ کہتے ہیں جسے سو راہ ہے منزل نہیں

ترجیح دوں ان لمبے بالوں پہ نہ سنبل کو

خاموش رہو یارو کیوں بات بڑھاتے ہو

(۲) انور علی یاس آروی - یہ میاں راسخ کے شاگردوں میں سے تھے۔ اپنے استاد سے اپنی عقیدت مندی کا اظہار اس طرح کرتے ہیں: ۔

یاسؔ طرزِ سخن میں اے یاسؔ ۔ آسخ کے یادگار ہیں ہم

سنہ ۱۲۰۳ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۲۶۳ھ میں راہیِ ملکِ عدم ہوئے۔ فارسی اور عربی کے جید عالم تھے۔ کلام کا رنگ اپنے استاذ کی طرح صوفیانہ ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

آخر اس کے سب تماشائی تھے ۔ جو ترا محوِ تماشا ہو گیا

عشق کی راہ میں جب تک نہ ہو جی کا نقصان

یاسؔ تب تک نہیں ہوتا کوئی کامل ہرگز

---

**(۳) شاہ ابو الحسن فردؔ پھلواری** - یہ تیرہویں صدی کے ایک بزرگ تھے۔ سنہ ۱۲۶۵ھ میں واصل بحق ہوئے شاہ صاحب صوفی منش اور آزاد خیال تھے۔ کلام کا رنگ زیادہ تر صوفیانہ ہے نمونہ درج ذیل ہے:-

دل جسے کہتے تھے وہ اک آبلہ تھا بہ گیا

نام کو اب زخم سا داغِ نمایاں رہ گیا

فردؔ کی کیا خوب حالت عشق میں پہنچی ہے اب

جس کے جو کچھ جی میں آئی منھ پر آکر کہہ گیا

**(۴) منشی گنگا لال صاحب دماغؔ برانپوری**

ضلع گیا کے رہنے والے اُردو اور بھاشا کے علاوہ سنسکرت کے بھی زبردست عالم تھے۔ حضرت عرشؔ سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ ۱۲۶۸ھ میں ستر سال کی عمر میں رحلت کی۔ مرنے کے وقت ایک دیوان گلشن بیخار نامی چھوڑا۔ جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ مؤلف خمخانہ جاوید لکھتے ہیں:۔[1]

"داغؔ منشی گنگا لال صاحب خلف منشی کنھیا لال ......... ذی علم، خوش وضع اور نہایت متین و خلیق آدمی تھے۔ اُردو فارسی کے علاوہ آپ کو بھاشا و سنسکرت میں بھی دستگاہ تھی۔ فن شاعری میں حضرت عرشؔ خلف میر تقی میرؔ کے شاگرد تھے۔"

ان کا دیوان گلشنِ بیخار نایاب ہے۔ بڑی کوشش کے باوجود بھی صرف چند اشعار دستیاب ہو سکے:

تیری زلفوں سے اماں ہے کسے یار آج کی رات
انہیں دو کالوں نے رکھا ہمیں مار آج کی رات

صاف ہو وصل میں عاشق سے کدورت کیسی

---

[1] خمخانہ جاوید جلد سوم صفحہ ۲۱۰

میری جان دور کر دو دل سے غبار آج کی رات

دردِ دل سے جو کراہا تو وہ ہنس کر بولے

جاں بلب کون ہے آوارہ دیار آج کی رات

وہ شبِ ماہ میں آتے ہیں جو افشاں چن کر

چاندنی دوہری دکھاتی ہے بہار آج کی رات

قتل کو بس ہے خنجرِ ابرو ٭ حاجتِ تیغِ آبدار نہیں

باغِ عالم میں گل کھلاتے کچھ ٭ اے جنوں موسمِ بہار نہیں

ایک ہی شکل کو دو کر کے دکھا دیتے ہیں

جوہرِ آئینہ قاتل تیری تلوار میں ہے

(۵) شاہ الفت حسین فریاد۔ یہ تیرھویں صدی کے ایک بلند پایہ شاعر گذرے ہیں۔ سنہ ۱۲۱۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۷۹ برس کی عمر میں سنہ ۱۲۹۸ھ میں واصل بحق ہوئے۔ حضرت شاہ آسیؔ اُن سے اصلاحِ سخن لیتے تھے۔ فریاد کی حسب ذیل تصانیف مطبوعہ ہیں:۔

(۱) مثنوی دبستانِ اخلاق (۲) مثنوی روضۃ المعانی۔ (۳) مثنوی گنجینۂ عشق (۴) مثنوی طلسم جہاں۔ ان کے علاوہ ایک فارسی غزلوں کا دیوان، اردو فارسی کے کئی قصائد اور

اردو کا دیوان کلکتہ میں نذر آتش ہو گئے۔ کلام معرفت میں ڈوبا ہوا ہے۔ نمونہ درج ذیل ہے: ؎

ہر ایک کو با نشاں، تجھی کو بے نشاں پایا
مگر اس بے نشانی پر جہاں ڈھونڈا وہاں پایا
تو ڈھونڈھتا ہے جس کو بیٹھا ہے تیرے دل میں
کچھ سوچ اپنے دل میں فریاد تو کہاں ہے

(۶) میر انور علی انور عظیم آباد کے مایہ ناز بزرگوں میں تھے۔ ان کے سنہ وفات کا علم نہیں لیکن خمخانۂ جاوید سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ یہ غدر کے بعد تک عظیم آباد میں زندہ و سلامت تھے کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔ ؎

اس فصل بہاری میں وہ گل ہم سے جدا ہو
اے گردشِ ایام زبوں تیرا بُرا ہو
ہر سمت سے ہو سایۂ نگین یار کی صورت
آئینہ خاطر میں اگر کچھ بھی جلا ہو
لائی نہ کبھی پیرہنِ یار کی خوشبو
اے بادِ صبا چل تیرا آگے سے ہوا ہو

## قطعہ

اُڑتی سی خبر ہم نے سُنی ہے جس نے
معلوم نہیں کون ہے کون رہا ہو
پابندیِ الفت کا تقاضا ہے مگر یہ
صیاد اگر چھوڑ دے خود رشتہ بپا ہو

(۷) منشی منگل سین الفت۔ عظیم آباد کے شوخ طبع شاعر تھے اور میاں جرأت کے شاگردوں میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ رنگ اُستاد سے ملتا جلتا ہے۔ ان کا کلام بہت کوشش کے بعد بھی دستیاب نہیں ہوا۔ صرف ایک شعر خمخانۂ جاوید میں ملا ہے جو درج ذیل ہے۔ مگر بقول مؤلف خمخانۂ جاوید "اسی ایک شعر سے ان کی مضمون خیز طبیعت کی قابلیت اور شوخی کا پتہ چلتا ہے"

ہر قدم پر یاں تلک آنے میں سو سو ناز ہیں
کیوں کر گھر جانے لگے شام و سحر دو چار کے

(۸) منشی انند رام۔ الفت۔ یہ منشی منگل سین کے ہمعصر گذرے ہیں۔ ان کے بارہ میں مؤلف خمخانۂ جاوید لکھتے ہیں کہ:۔

"یہ ۱۸۰۷ء میں بقیدِ حیات تھے۔ اس سے زیادہ
حال معلوم نہیں۔"

کلام صاف اور شوخ ہے ؂

دل پیشکش ہے نذر ہے یہ جانِ زار بھی
لکھ دیں مگر حضور محلکہ نباہ کا

بیعت مجھے بھی مشربِ پیرِ مغاں میں ہے
ساقی ادھر بھی دور کرم کی نگاہ کا

آباد یہ میکش رہیں ساقی کا بھلا ہو ؛ پھر قلقلِ مینا کی بلند آج صدا ہو
پھر زخم کہیں آج مرے دل کا ہرا ہو ؛ قاتل دمِ شمشیر دمِ بادِ صبا ہو

(۹) خواجہ امین الدین امین۔ یہ دہلی کے باشندے تھے جن کے بارہ میں مؤلف تذکرہ گلزار ابراہیم لکھتے ہیں:۔

"(امین) در شعر فہمی و سخن رسی از نوادرِ روزگار است
فکرش نازک رفتہ و ذہنش را استقامتے ست کہ کمتر در
شعرائے معاصر یافتہ می شود۔"

یہ حضرت تیرہویں صدی کے شعرا میں استاد تسلیم کئے جاتے
تھے، ان کے سنہ وفات کا صحیح پتہ نہیں چلتا، لیکن تذکرہ
خمخانۂ جاوید سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۲۵۶ھ (سنہ ۱۸۴۰ء)

میں بعالم ضعیفی بقید حیات تھے ۱۱۹۴ھ میں نواب میر محمد رضا خاں مظفر جنگ بہادر کی مصاحبت کے عہدہ پر مامور تھے نواب صاحب کی مصاحبت سے علیحدہ ہونے کے بعد قناعت اور پامردی کے ساتھ خانہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ علی ابراہیم خاں کے بڑے عزیز دوستوں میں تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے تذکرہ گلزار ابراہیم میں اس کا ذکر بھی کیا ہے، لکھتے ہیں۔

"خواجہ امین الدین در عالم اتحاد با قربت و از دوستانِ دیرینہ این خاکسار ست۔ از چند سال تا حال کہ ۱۱۹۴ھ باشد در زمرہ منسلکان نواب میر محمد رضا خاں مظفر جنگ بہادر انسلاک دارد۔"

میر حسن نے اپنے تذکرہ میں امین کو مرشد آبادی لکھا ہے لکھتے ہیں:

"خواجہ امین الدین امین تخلص ساکن مرشد آباد ست ذکر احوالش معلوم نیست۔ سلامت باشد۔"[1]

امین عظیم آباد کے رہنے والے تھے۔ البتہ کچھ دنوں کے لئے نواب ناظم مرشد آباد کے یہاں ملازم رہے تھے اور غالب

---

[1] تذکرہ میر حسن صفحہ ۵۔

اسی وجہ سے میر حسن کو ان کے مرشد آبادی ہونے کا دھوکا ہوا ہے۔ نواب شیفتہ نے اپنے تذکرہ میں میر حسن کی تردید کی ہے، لکھتے ہیں:۔

"(امین) از ارباب عظیم آباد ست و آنکہ نسبتش بہ
مرشد آباد کردہ اند از او خطائے عظیم آمدہ"

تذکرہ میر حسن کے علاوہ اور بھی جتنے تذکرے ہیں سب امین کے عظیم آبادی ہونے پر متفق ہیں۔

خواجہ صاحب کے کلام میں شوخی اور بے ساختگی بدرجہ اتم موجود ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات داغ کے کلام کا دھوکا ہو جاتا ہے۔ ان کا ایک شعر ہے ؎

بوسہ دیا تھا جی میں جو آوے تو پھیر لو
اتنے خفا ہو کس لئے اس خاکسار پر

خواجہ صاحب کے کلام میں جہاں شوخی اور ظرافت پائی جاتی ہے، وہاں ان کے کلام میں تصوفانہ رنگ آمیزی اور زبان کی صفائی بھی کافی ہے۔ کلام کا جستہ جستہ انتخاب درج ذیل ہے۔ ؎

گالیاں جو دیں سو دیں بس کیجئے ؎ سن چکے ہم جب تلک منہ میں تھا

جس کا دل آپ نے لیا ہوگا ؛ خاک میں لے ملا دیا ہوگا

گالیاں غیر سے سناتے ہو ؛ ہاں میاں تم سے اور کیا ہوگا

دنیا میں کھلانے کو سبھی کھلاتے ہیں بھلے

پر ہے وہی بھلا جو کسی کا بھلا کرے

کیا دین سے غافل ہوا ہیں مردمِ دنیا ؛ سکے کو سمجھتے ہیں سدا اپنا الٰہی

کیا نہیں دودِ آہ کی تاثیر ؛ گھر کا گھر ہے سیاہ مت پوچھو

ڈر سے ترے نالہ کبھی نکلتا نہیں لب سے ؛ ظالم ہے ترے ظلم کی تاثیر ہوا پر

یار کی مژگاں سے لڑ جاتا ہے یوں تیرِ نگاہ

جس طرح تلوار کوئی آ لگے تلوار پر

کیا کہوں یار سے اپنی سی کئے جاتا ہوں

گالیاں کھاتا ہوں غصہ کو پئے جاتا ہوں

دل تو کیا ہے آپ جو آوے یار ؛ جان آگے نکال رکھتے ہیں

آپ کی غذا اب رہی ہے یہی ؛ الٰہی یہ خونِ جگر کم نہ ہو

کس سے تشبیہ دیں بھلا تجھکو ؛ ایک یوسف سو تیرا ثانی ہے

جلوہ ترے حسن کا کہاں ہے ؛ یوں کہنے کو آفتاب ہاں ہے

جباتِ جاوداں بخشے ہے تیغِ آبدار اس کی

اگر باور نہ آوے جا کے کھاوے جس کا جی چاہے

## رباعی

...ر وجفا و بے وفائی کب تک :: بس کیجیے پاسِ آشنائی کب تک
...ا ہے کوئی حسین پر اتنا بھی غرور :: دیکھیں تو یہ ہے یہ خدائی کب تک

(۱۰) شیخ ثابت علی ثابت۔ شیخ محمد علی کے صاحبزادے
...تھے۔ تیرہویں صدی کے اچھے شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔
...۱۲ میں راجہ بھرت پور کی سرکار میں ملازم تھے۔ تذکرہ خمخانۂ
...وید سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صاحب دہلی بھی تشریف لے
...ئے تھے۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے:۔

...نے کی کسی کے کیا سنی ہے :: جاں لب پہ ٹھہر گئی ہے آکر
...تے ہیں وہ بے وفا اب آیا :: کہنے ہی کی بات ہے سنا کر
...بت کا ہے حال غیر کل سے :: تم بھی اسے دیکھ آؤ جا کر

(۱۱) میر شمس الدین ثنا۔ تیرہویں صدی کے ایک
...ند پایہ شاعروں میں گزرے ہیں۔ حضرت مشتاق سے اصلاح
...سخن لیتے تھے۔ ان کے آبا و اجداد کشمیر کے تھے۔ لیکن ان کا
...ولد و مدفن عظیم آباد ہے۔ مؤلف تذکرہ کریم الدین[1] ان کے

---

۱؎ تذکرہ کریم الدین ص ۲۹۱

بارہ میں لکھتے ہیں :۔

"ایک سید زادہ میر شمس الدین اصل کشمیر اور مولد عظیم آباد ہے۔ گاہ گاہ فکر ریختہ کرتا تھا۔ ..... خوش فکر صاحب طبیعت اور نیک دل معلوم ہوتا ہے۔"

نمونہ کلام درج ذیل ہے :۔

شب فرقت میں تیری نالہ و زاری ہے اور میں ہوں
جھپکتی پل نہیں آنکھیں ہیں بیداری ہے اور میں ہوں
چمن ہے خندۂ گل ہے مے و مینا ہے اور تو ہے
فغاں ہے نالہ ہے، فریاد ہے، زاری ہے اور میں ہوں

(۱۲) **منشی بینی پرشاد دل** ۔ یہ بھی شعرائے عظیم آباد میں اچھا درجہ رکھتے تھے۔ کائستھ تھے۔ یہ تیرہویں صدی میں گزرے ہیں۔ سنہ وفات معلوم نہیں۔ ان کے بارہ میں مولوی کریم الدین صاحب، صاحب تذکرہ لکھتے ہیں :۔

"یہ شعرائے عظیم آباد سے ہے۔ مرد خوش زندگانی، کشادہ پیشانی، ہنس مکھ، نیک خو ہے۔"

کلام ملاحظہ ہو :۔

پردہ اٹھا کے تو نے ادھر کو گزر کیا

عالم کے دل میں تیری محبت نے گھر کیا
نالہ و شور و فغاں، بے طاقتی ہمراہ ہیں
ہم تو کوچے سے ترے نکلے بڑے ساماں لئے
دل چاہتا ہے بولئے ہرگز نہ یار سے
پر بس نہیں چلے ہے دل بے قرار سے

(۱۳) کنور سکھراج بہادر رحمیؔ۔ آپ عظیم آباد پٹنہ کے صاحب اخلاق، ذی مروّت اور علم پرور رئیس تھے۔ آپ کے دادا راجہ پیارے لال الفتیؔ شاہ عالم ثانی کے عہد میں دلی چھوڑ کر عظیم آباد چلے آئے تھے اور اس وقت سے برابر آپ کا خاندان عظیم آباد ہی میں مقیم رہا۔ آپ کے والد کنور ہیرا لال صاحب ضمیرؔ رئیس اعظم پٹنہ بڑے صاحب علم شاعر اور شاعر نواز تھے۔

کنور سکھراج بہادر کو شاعری سے بڑا شغف تھا آپ نے ۱۸۷۰ء سے ۱۸۷۵ء تک کے عرصہ میں پٹنہ میں متعدد مجلس مشاعرہ قائم کئے۔ کلام کا نمونہ درج ذیل ہے:۔

جب آپ ہی کو پاس نہیں رسم و راہ کا
کیا فائدہ جو ہو بھی ارادہ نباہ کا

جب سلسلہ جنباں یہ تری زلفِ رسا ہو
عاشق ترا کس طرح نہ زنجیر بپا ہو

دکھا کر وہ گئے ہیں جب سے اپنی زلفِ شب گوں کو
بلائیں آ رہی ہیں میرے سر پر دیکھتے جاؤ

کرنے کے لئے دعائے قاتل : زخموں کا کھلا دہن ہمیشہ

(۴۱) شاہ غلام مرتضیٰ جنوں۔ شاہ صاحب مرزا رفیع سودا کے ہمعصر تھے۔ بڑھاپے میں نابینا ہو گئے تھے لیکن مشقِ سخن میں وہی انہماک تھا۔ بڑے متقی اور پرہیزگار تھے جس کی جھلک کلام میں بھی ملتی ہے۔ نواب شیفتہ نے غلطی سے انہیں الہ آبادی لکھا ہے۔ میرے خیال میں نواب صاحب نے کسی اور جنوں کے دھوکہ میں انہیں الہ آبادی لکھ دیا ہے درانحالیکہ ان کا عظیم آبادی ہونا تذکرے سے ظاہر ہوتا ہے۔ مؤلف خمخانہ جاوید لکھتے ہیں۔

"شاہ غلام مرتضیٰ متخلص بہ جنوں متوطن عظیم آباد پٹنہ ہم عصر مرزا رفیع السودا مہذب صورت پاکیزہ سیرت نہایت خوش مذاق، اکثر فنون میں قابل اور کامل۔"

شاہ صاحب نے ایک دیوان ریختہ بھی چھوڑا ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ

۵

ب ماہ اس نمک میں ہم سنگ ہے، تمہارا
حقا کہ حسنِ یوسف پاسنگ ہے تمہارا

رشد کامل ہے دردِ عشق ہر مذہب کے بیچ
میں تو کافر ہوں اگر قائل نہ ہوں اس پیر کا

وہ آنکھ دے کہ جس سے دیکھیں جمال تیرا
یارب جنوں کے منہ پر اس در کو باز کرنا

پہنچا کوئی کعبہ سے کوئی دیر سے پہنچا
تھی جس پہ تری مہر وہی خیر سے پہنچا

طوف باصدق و صفا کیجیے دلِ آگاہ کا
میرے مذہب میں یہی ہے حج بیت اللہ کا

دشمن جاں ہو گئی آخر یہ بینائی مجھے
جو بلا کہیے سو ان آنکھوں نے دکھلائی مجھے

اے جنوں مصرعِ تر سودا کے ہے زنجیر پا
قید سے تیری نہیں ہونے کے اب آزاد ہم

(۱۵) **خواجہ امام بخش اَمامی** ۔ تیرہویں صدی کے
ایک شاعر باکمال گزرے ہیں۔ نواب سراج الدولہ کے یہاں

کسی معمولی عہدہ پر فائز تھے۔ مؤلف گلزار ابراہیم ان کے بارہ میں لکھتے ہیں :۔

"الحمش خواجہ امام بخش در زمان نواب سراج الدولہ روزگارے داشت والحال کہ سال بست وچہار جلوس شاہ عالم ست در عظیم آباد بہ غربت می گزارند۔"
(گلزار ابراہیم)

کلام کا رنگ استادانہ ہے۔ ملاحظہ ہو : ؎

اے چشم تو تھام ہے اشک تو جوش اور پر
مژگاں نہیں رکھ سکتے اس سیل کو دوش پر

(۱۶) میر غلام علی آطہر۔ میر شمس الدین فقیر کے شاگردوں میں تھے۔ کچھ دن مرشد آباد رہ کر عظیم آباد چلے آئے تھے اور یہیں شاہ عالم کے عہد میں رحلت کی۔ علی ابراہیم خاں صاحب تذکرہ ان کے بڑے شاکی معلوم ہوتے ہیں۔ اپنے تذکرہ میں انہیں مغرور اور خود ستا لکھا ہے۔ لکھتے ہیں :۔

"میر غلام علی از شاگردانِ میر شمس الدین فقیر بغرور وخود ستائی مشہور بود۔"

کلام کا نمونہ درج ذیل ہے : ؎

کرنا تھا جو کچھ نہ کر گئے ہم ؛ افسوس کہ یونہیں مر گئے ہم

تو ایسا جی کہ ترا نام نقش ہو دل پر

نہ یہ کہ دھو دیں ترے نام کو نگینے سے

(۱۷) **شیخ غلام بخش حضور**۔ عظیم آباد کے ایک مشہور رئیس تھے۔ شاعری میں کسی سے اصلاح نہ لی۔ بچپن ہی سے شعر کہنے لگے تھے۔ علی ابراہیم خاں، صاحب تذکرہ انہیں اپنے دوستوں میں لکھتے ہیں، اور بڑے مداح معلوم ہوتے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

"(حضور) از احباب مؤلف حقیر ست۔ جوانے ست آرمیدہ اطوار۔" (گلزار ابراہیم)

میں نے ان کی کوئی مثنوی نہیں دیکھی ہے۔ لیکن تذکرہ کریم الدین سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صاحب نے ایک مثنوی "درباب[1] درگاہ شاہ ارزاں جو عظیم آباد میں واقع ہے لکھی ہے"۔

چند اشعار بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں: ؎

گر ایسی ادا تو دکھاتا رہے گا ؛ تو کب تک کوئی جی بچاتا رہے گا

جو اس تندخو سے کہا میں کہاں تک ؛ فضول اپنے دل کو کڑھاتا رہے گا

گر ایسا ہی ہر دم ترا روٹھنا ہے ؛ تو کب تک تجھے کوئی مناتا رہے گا

[1] تذکرہ کریم الدین ص ۱۷۵

انکا ہنس کے کہنے کہ کیا بولتا ہے ٭ بگاڑوں گا میں تو بناتا رہے گا

---

مرتا ہوں دردِ ہجر سے آرام ہوچکا ٭ بس اے طبیب عشق مرا کام ہوچکا

اسی سلسلہ میں اسی دور کی ایک شاعرہ خاتون کا بھی تعارف کرانا چاہتا ہوں۔

(۱۸) امیر النسا بیگم غریب۔ میر برکت علی عظیم آبادی کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کے والد پٹنہ کے ایک محلہ مغل پورہ میں رہتے تھے، خود شاعر نہیں لیکن شاعر دوست ضرور تھے۔ پاس ہی جناب ذبیح (مرزا امان علی ذبیح) کا مکان تھا بیگم صاحبہ ابتدا میں انہیں سے اصلاح سخن لیتی تھیں۔ کلام میں بڑی سنجیدگی اور متانت پائی جاتی ہے۔ ان کا ایک شعر مجھے دستیاب ہوا ہے۔ اسی مضمون کا ایک مشہور شعر غالب کا بھی ہے۔ ناظرین کرام خود فیصلہ فرمائیں کہ کون "غریب" رہا اور کون "غالب"۔ بُعد زمانی اور مکانی بھی مد نظر رہے:

کھلتا نہ تا بہ مرگ مرا یہ معاملہ ٭ رسوائے شعر مجھ کو دل زار نے کیا

(غریب)

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ ٭ شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

(غالب)

صاحب تذکرۂ شمیم سخن نے بھی ان کا ایک شعر لکھا ہے ؎

لو اور وہ تو جلنے لگا میرے نام سے
دل سرد آب تو آہ شرر بار نے کیا

---

(۱۹) حضرت بی بی روشن - حضرت مخدوم شاہ احمد عبدالحی بن حضرت تاج العارفین کی بیٹی اور حضرت قاضی سید شاہ عالم کی بیوی بڑی عالمہ اور زاہدہ گذری ہیں۔ عربی اور فارسی میں بہت صاحب استعداد تھیں۔ شعر و سخن کا بھی فطری ذوق تھا۔ شادی بیاہ کے لئے بہت سے گیت بنائے، چنانچہ ان کے بنائے ہوئے گیت اب تک عورتوں میں مشہور ہیں۔ کلام کا نمونہ درج ذیل ہے :- ؎

کیا کہوں فرقت میں کس کس طرح ہوئے ہے
روزان اشکوں کا جاری ایک دریا ہوئے ہے
پیچ جس سر کے ترے گیسو کا سودا ہوئے ہے
گھر سنتی باہر نکل صحرا بہ صحرا ہوئے ہے
اس تڑپنے کا مزہ مت پوچھو روشن ہائے ہائے
کیا کہیں جس وقت دل اپنا تڑپتا ہوئے ہے

فارسی میں بھی آپ نے اکثر طبع آزمائی کی ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

مرا بہ رحمت حق تکیہ باشد این قدر روشن
کہ از ہنگامہ محشر بدل دہشت نمی دارم

ہست بے روئے تو ہر روزم شب یلدا مرا
یا رسول اللہ بنما جلوۂ زیبا مرا

ذکر نام تو ورد جان من است ؛ یاد تو مغز استخوان من است

آپ کی وفات ۱۱ شوال روز پنجشنبہ ۱۲۴۷ھ کو ہوئی۔

---

(۲۰) **حضرت بی بی طاہرہ** ۔ حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ محمد حبیب اللہ رح کی پوتی اور حضرت شاہ برکت اللہ رح کی بیوی بڑی عالمہ گذری ہیں۔ درسیات کی کتابیں تقریباً تمام تھیں۔ بعض مختلف فیہ فقہی مسائل پر چھوٹے رسائل بھی لکھے ہیں جو خانقاہ عمادیہ پٹنہ سیٹی کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ شعر وسخن کا بلند ذوق تھا۔ زیادہ تر فارسی میں طبع آزمائی فرماتی تھیں۔ اکثر اردو میں بھی کہا کرتی تھیں۔ آپ کے شوہر نے اس مشغلہ کو ناپسند کیا، اس لئے آپ نے اپنا تمام کلام نذر آتش کر دیا۔ آپ کا صرف ایک فارسی شعر اسوقت

مجھے یاد ہے۔ ؎

بہ شمع عشق تو پروانہ وارم :: ببیں یارب کہ من چوں جاں سپارم

آپ کی وفات ۴ رمضان ۱۱۵۱ھ میں ہوئی۔

---

(۲۱) **منیر** — بی بی منیرالنساء نام، حضرت شاہ عنایت حسین کی صاحبزادی تھیں۔ سنہ ۱۲۳۰ھ میں پیدا ہوئیں۔ اپنے والدین کے ساتھ اکثر لکھنؤ میں رہیں اور وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ حضرت شاہ لیاقت حسین کمل پوش چشتی کے ساتھ بیاہی گئیں۔ بانوے برس کی عمر پاکر ۱۳۲۲ھ میں انتقال کیا۔ عربی فارسی کی بڑی اچھی استعداد تھی۔ شاعری میں اپنے والد ہی سے اصلاح لیا کرتی تھیں۔ بہاءالدین احمد صاحب فیض کا بیان ہے کہ آپکے ابتدائی کلام کا ایک مجموعہ موضع جموانواں ضلع پٹنہ میں رئیس الحق صاحب کے پاس موجود ہے۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے :۔ ؎

منیر اپنے دل کو سمجھتی ہے پتھر :: نگینہ تو اس کو بنا دے الٰہی

کرتی ہو رات دن میں زیارت رسول کی

پھرتی ہے اپنی آنکھوں میں صورت رسول کی

نہ رکھو ہجر میں بیمار مجھ کو ؛ پلادو شربت دیدار مجھ کو
رہوں کب تک جدائی میں تڑپتی ؛ بلا لو جلد اے سرکار مجھ کو

---

(۲۲) حضرت بی بی ولیہ ۔ پھلواری شریف کی رہنے والی بڑی زاہدہ اور فاضلہ گذری ہیں۔ علم تصوف میں اچھی دستگاہ بہم پہنچائی تھی۔ ان کے معلومات اور مکاشفات ان کے وقت ہی میں بہت شہرت پا چکے تھے جس کے متعدد مجموعے پھلواری کے متعدد کتب خانوں میں موجود ہیں۔ اُردو فارسی کی بہت اچھی لیاقت رکھتی تھیں۔ حضرت مولانا محمد وارث رسول نما بنارسی قدس سرہٗ کی شان میں ان کا ایک مشہور قصیدہ ہے۔ جس کا مطلع یہ ہے:۔

ندانم کہ در روز محشر چہ باشد ؛ کہ جرم و گناہم گذشت است از حد

اُردو میں دوہوں کے وزن پر ان کے بعض اشعار بہت مشہور ہیں:۔

کون سی تدبیر بتا دیں ؛ اون اپنے کن ہم کو بلا دیں
حضرت کی ڈیوڑھی جو پا دیں ؛ سیر جھکا کے آنکھ لگا دیں

---

## (۲۳) بی بی راضیہ خاتون نام جمیلہ تخلص شمس العلماء

مولوی نبیر الدین صاحب کی بیٹی اور خان بہادر مولوی خدا بخش خاں صاحب مرحوم کی زوجہ محترمہ۔ اکثر غزلوں میں راضیہ اور خاتوں بھی تخلص کیا ہے۔ شعر وسخن کا بہت اعلیٰ مذاق تھا۔ اردو اور فارسی دونوں پر قدرت رکھتی تھیں۔ ان کا قلمی دیوان آٹھ ضخیم جلدوں پر محیط ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو: ؎

جنوں تو نے بنایا دشت کیا صحرائے بطحا ہے
کشش ہے اس جگہ کے ہر خس وخاشاک سے پیدا

نہ جب زندگی میں ملی مجھ کو راحت
تو کیا بعد مرنے کے آرام ہوگا

نہیں تھا گر تصور یار کا اے دل تو پھر کیا تھا
ہوئی تصویر کیسے آہ آتش بار سے پیدا

تلووں میں لگا لہو کو میرے پڑ لے یار یہ خون بہا ہے میرا

جل گیا دل اپنی آہوں کے شرارے سے اے جنوں
یک بیک شعلہ سا بھڑکا اور بھڑک کر رہ گیا

نہ رواب تو خاتون یوں غل مچا کر
کہ بلبل کا بھی چین جاتا رہے گا

## (۲۴) حضرت شاہ امیرالدین قدس سرہٗ۔ سجادہ نشین

حضرت مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ بہار کی بڑی مقدس ہستیوں میں گذرے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ ابن شاہ علیم الدین قدس سرہٗ کے فرزند تھے۔ سال ولادت کے متعلق خود ہی دو اشعار قلمبند کیے ہیں۔ شعر یہ ہیں:۔

زروئے سال ہجری وقت پیدائش سے اس دم تک
کہوں کیا لب سے جائے استقامت یہ خرابا ہے
سنا ہے یہ کہ فکرِ والد غفراں پناہی سے
دعائیہ سنہ تاریخ برخوردار آیا ہے

شعر و سخن میں کافی دستگاہ تھی۔ فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں کلام موزوں فرماتے۔ فارسی میں بیطنوہ اور اُردو میں وحید تخلص کرتے تھے۔ آپ کا فارسی دیوان مطبوعہ ہے۔ اُردو میں ایک ضخیم دیوان تین مثنویاں اور بہت سی رباعیاں غیر مطبوعہ ہیں؛ جو بہار میں ایک بزرگ کے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔ بہار کے سفر کے دوران میں میں نے اس قلمی نسخہ کا مطالعہ کیا۔ میں اپنے مکرم بزرگ کا بدل سپاس گزار ہوں؛ جن کی وساطت سے مجھے اس بیاض

کے مطالعہ کا موقع ملا۔ اُمید ہے کہ انشاء اللہ عنقریب بیں
ان کے تمام اُردو کلام کو مع مختصر سوانح حیات ونقد وتبصرہ
کے اہل نظر کے سامنے پیش کرسکونگا۔

چند اشعار نمونتاً درج ذیل ہیں :-

روح کا آنا تھا قالب میں وہ آنا کیا تھا
جان کا تن سے نکل جانا تھا جانا کیا تھا
لاکھ دل ہوتا تو سر پر سے تصدق کرتا
ایک اس دل کے لئے تم سے بہانا کیا تھا

---

کرتا ہوں سراپا کو ترے نقش میں دل پر
تصویر تری زیر بغل جائے تو اچھا
بے یار کے جینے سے تو مرنا ہی بھلا ہے
اب جان مری تن سے نکل جائے تو اچھا

حضرت وجد کا وصال ۱۲۸۷ھ میں ہوا۔

**(۲۵) حضرت سید شاہ امین احمد فردوسی قدس** سرہٗ المعروف بہ "جناب حضور" بہار کی مقدس ہستیوں میں گزرے ہیں۔ حضرت شاہ امیرالدین وجد قدس سرہٗ کے فرزند

اور سجادہ نشیں تھے۔

۲۳ رجب ۱۲۴۸ھ میں دنیائے آب وگل میں تشریف لائے اور ۲۴ جمادی الاخر ۱۳۲۱ھ میں راہی ملک عدم ہوئے آپ کے علم وفضل کا ہر شخص معترف تھا۔ اپنے والد بزرگوار کی طرح شعروسخن سے بھی خاص شغف رکھتے تھے، اور خصوصیت کے ساتھ مثنوی گوئی میں تو آپ یکتائے زمانہ تھے۔ جو قادر الکلامی کہ آپ کو اس صنف میں حاصل تھی۔ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئی۔ مثنوی زیادہ تر مناقبانہ لکھی ہے۔ گل بہشتی۔ گل فردوس، روضۃ النعیم، شجرات طیبات۔ سلسلۃ اللآلی، عبرت افزا اور شہد وشیر وغیرہ آپ کی مشہور مثنویاں ہیں۔ فارسی اور اردو دونوں میں آپ کا کلام بہت بڑے پایہ کا ہوتا ہے۔ فارسی میں ثبات اور اردو میں شوق تخلص فرماتے تھے۔ آپ کی تمام تصانیف طبع ہو چکی ہیں۔ صرف اردو کا ایک دیوان غیر مطبوعہ ہے۔ اس وقت اردو کے چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں ؎

اللہ ترا عام جو انعام ہوگیا ۔۔۔ جاری مری زباں پہ ترا نام ہوگیا

لہ تاریخ شعرائے بہار مولفہ سید عزیز الدین احمد بلخی المتخلص بہ راز صفحہ ۱۲۳

گر اس کی جستجو وہ ملے گا تجھے ضرور
کوشش جو تو نے کی تو ترا کام ہو گیا

---

ار زارِ عشق سے اے شوق نکلو تم کہیں
گلشنِ ہستی سے ہو جاؤ گے ورنہ گم کہیں

---

ن سے سر کٹ گیا حل ہو گئی مشکل اپنی
واہ کیا عقدہ کشا ناخنِ شمشیر بھی تھا
طرزِ غالب مجھے اب شوق بہت ہے مرغوب
ابتدا میں تو میں کچھ معتقدِ میر بھی تھا

---

مرا زلفِ سیہ پر دل جو شیدا ہو تو ہونے دو
گرفتارِ بلا گر کوئی ہوتا ہو تو ہونے دو
لئی دن سے ان کو جو دیکھا نہیں ہے
مری روح قالب میں گویا نہیں

رباعی

بس ہم ہاتھ میں قلم لیتے ہیں ارباب سخن جھک کے قدم لیتے ہیں

نقد تعلیم ان کو ہم دیتے ہیں ۔ جنس تعظیم ان سے ہم لیتے ہیں

## دورِ متاخرین

دورِ متاخرین کے شعرا میں جذباتِ خیال اور پاکیزگی بیان مخصوص طور پر نمایاں ہیں۔ (۱) شمس العلماء نواب امداد امام صاحب اثرؔ صوبہ بہار کے ایک ممتاز اور مقتدر خاندان سے تھے۔ ۱۷ اگست ۱۸۴۹ء میں پیدا ہوئے اور اپنی زندگی کا زیادہ حصہ موضع نیورہ ضلع پٹنہ میں گزارا۔ نیورہ کو اسی خاندان کی وجہ سے امتیاز خاص حاصل ہے۔

نواب صاحب کو ریاضی، معدنیات و حیوانات، مناظرہ فلسفہ جدید و قدیمہ میں بڑا شغف تھا، اردو اور فارسی میں فاضل متبحر اور زبان انگریزی پر خاصی قدرت رکھتے تھے۔ آپ کی فنی اور عالمانہ تصانیف کتاب مراۃ الحکما، کتاب[۱] الاثمار اور کاشف[۲] الحقائق کافی مشہور اور مستند ہیں۔

---

[۱] یہ کتاب سویڈن زبان میں ترجمہ ہو کر وہاں کی یونیورسٹیوں میں داخل نصاب ہے۔

[۲] کاشف الحقائق معروف بہ بہارستان سخن متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے اس میں مصری، یونانی، لاطینی، اطالوی، جرمن، انگریزی، عربی، فارسی، اردو

آپ نہ صرف اُردو اور فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے، بلکہ اکثر آپ نے انگریزی اشعار بھی نظم کیے ہیں۔ آپ کا اُردو دیوان شائع ہو چکا ہے، کلام کا نمونہ درج ذیل ہے: ؎

ظالم وہ کون دل ہے جس میں نہیں بھری ہے
تیرے ستم کی حسرت تیری جفا کی خواہش
اے شیخ و برہمن تم کچھ تو ہمیں بتاؤ
کیا ہے بتوں کی خواہش کیا ہے خدا کی خواہش
دنیا طلب کا شیوہ ہاتھوں کا ہے اُٹھانا
دل میں خدا کو رکھ کر کیا ہو دعا کی خواہش
رات واعظ جو شریک صحبت رندانہ تھا
کچھ بیانِ حور اس کا بے طرح مستانہ تھا
مظلوم ہوں مگر نہیں ملتا کوئی گواہ
ہیں اہل حشر اس ستم ایجاد کی طرف
ناصح اگر ستم نہ سہیں ہم تو کیا کریں
دل دوڑتا ہے یار کی بیداد کی طرف

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٨٦) چینی، جاپانی، سنسکرت اور بھاشا کی شاعری پر عالمانہ اور محققانہ بحث کی گئی ہے۔

سبھی گل زر بکف گلشن میں ہیں انصاف کر یارب
غضب ہے رند خالی ہاتھ ہوں فصل بہاراں میں

نہ کر شکوہ ہماری بے سبب کی بدگمانی کا
محبت میں ترے سر کی قسم ایسا بھی ہوتا ہے

ہمیں بزمِ عدو میں وہ بلاتے ہیں تمنا سے
کرم ایسا بھی ہوتا ہے ستم ایسا بھی ہوتا ہے

ہم نے اثرؔ سنا ہے اہلِ رضا کو کہتے
اپنی وہی ہے خواہش جو ہے خدا کی خواہش

ہے پیامِ مرگ میں مضمر نوید زندگی
تا بقا کی شکل پیدا ہو فنا ہو جایئے

(۲) سید الشعرا علی محمد شادؔ عظیم آبادی نے ۱۲۶۳ھ میں اس دنیائے آب و گل میں آنکھ کھولی اور مدت دراز تک شاعروں کا سرتاج اور "اردو سبھا"[۱] کے اندر بنے رہے۔ ایک محقق اور مایۂ ناز ادب کی حیثیت سے وہ ہندوستان میں محتاج تعارف نہیں۔

---

[۱] شیخ عبدالقادر ایڈیٹر مخزن نے اردو سبھا کی تحریک کی تھی اور اس کا صدر جناب شادؔ کو بنایا گیا تھا۔

فردوسی نے شاہنامہ سے عجم کو زندہ کیا۔ شاد نے اپنی
تصنیف سے بہار کو خلعت دوام بخشا۔ شاد کی سوانح حیات
و نو کمالات پر ہندوستان کے بڑے بڑے اہل قلم حضرات
نی ڈال چکے ہیں۔ اس لئے یہاں ان کا تذکرہ بخوف طوالت
انداز کیا جاتا ہے۔

شاد تخیل اور زبان کا بادشاہ ہے، کلام میں شاعرانہ
یل، عالمانہ رنگ اور عارفانہ اسرار و رموز کی فراوانی
ہے۔ واقعہ نگاری ان کا خاص جوہر ہے۔ شاد کی شاعری
بیانہ مذاق اور سوقیانہ ترکیبوں سے بالکل مبرا ہے۔
ہیں کہیں شوخی اور ظرافت البتہ پائی جاتی ہے۔ لیکن
شگفتہ شوخی سے آگے نہیں بڑھتی۔

نمونہ کلام حسب ذیل ہے :-

پچھلے پہر اُٹھ اُٹھ کے دعا میں ناک رگڑنی سجدوں پہ سجدے
جو نہیں جائز اس کی دعائیں اُف ری جوانی ہائے زمانے

---

لہ آپ کی تصانیف میں مندرجہ ذیل کتابوں نے اس خاکسار کی ترتیب و تدوین میں بڑی رہبری
کی ہے۔ فکر بلیغ، مرآۃ الخیال، نوائے وطن، تاریخ صوبہ بہار، ظہور رحمت۔

قمار خانہ ہے بزمِ دنیا بڑے کھلاڑی کا سامنا ہے
گنوائی پونجی گرہ سے اپنی یہاں ذرا بھی جو چال چو
کہاں سے لاؤں صبرِ حضرت ایوب اے ساقی
خم آئے گا، صراحی آئے گی، تب جام آئے گا
تری یکتائی میں نقصان بتا کیا ہوتا
تجھ سا ہوتا جو کوئی وہ بھی تجھی سا ہوتا
یہ بزمِ مئے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے
ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت و غم اے ہم نفسو! وہ خواب ہیں ہم
میں حسرت و غم کا مارا خاموش کھڑا ہوں ساحل پر
دریائے محبت کہتا ہے آ کچھ بھی نہیں پایاب ہیں ہم
مرغانِ قفس کو پھولوں نے اے شادؔ یہ کہلا بھیجا ہے
آنا ہو اگر تو آجاؤ ایسے میں ابھی شاداب ہیں ہم

غیر مطبوعہ : ۵

کالی کالی آنکھیں ہیں اور گوری گوری رنگت ہے
لمبے لمبے گیسو ہیں اور بھولی بھولی صورت ہے

آڑی آڑی چتون ہے اور ٹیڑھے ٹیڑھے ابرو ہیں
نیچی نیچی نظریں ہیں اور کچھ کچھ دل میں الفت ہے
حسن کی خوبی جو کچھ کہیئے عیب چھپاتا ہے ورنہ
جھوٹے جھوٹے وعدوں میں کچھ ایسی ایسی لذت ہے
پھر بھر آئی دل نہ بہلا کس طرح سے شاد ان شعروں پر
سچی سچی باتیں ہیں اور پوری پوری حالت ہے

---

شب کو میری چشم حسرت کا سب درد دکھ ان سے کہہ جانا
دانتوں میں دبا کر ہونٹ اپنا کچھ سوچ کے ان کا رہ جانا
میخانہ میں آنا زاہد کا پھر دریہ ٹھٹھک کر رہ جانا
ساقی کے اشارہ کا رندو کچھ کان میں سب کے کہہ جانا
ہم باغ میں ناحق آئے تھے بلبل کی حکایت کیا کہیئے
منقار کو رکھ کر کلیوں پر کچھ اپنی زبان میں کہہ جانا
ہوئیں محتسب سے جو بدعتیں کریں بادہ کش اسے شبہ کیوں
نہ یزید کی ہے جو بارگہ نہ اسیر ابن زیاد میں
آئینے کا قصہ اور نہ حالِ شانہ کہتے ہیں
حقیقت میں جمال یار کا افسانہ کہتے ہیں

صفِ اوّلیں تو ہے خاص صف' وہاں پاؤں جا یہ کہاں شرف
صفِ آخریں سے بھی دور تر جو اشارہ ہو تو وہیں سہی
ہمہ شب زنجیلِ کرو بیاں رسد ایں صدائے نہیبنے
کہ محاسبہ ہے مری ذرو میری بخششوں کا یقیں سہی
نہ مٹے گی دل سے یہ آرزو کہ لگا کے آنکھوں سے چوم لیں
ترے پاؤں تک نہیں دسترس ترے آستاں کی زمیں سہی
جسے پاک رکھنے کی تھی ہوس وہ تو نذرِ بے در یہ پہنچ گئی
یہ مشتِ خاک زمیں پہ ہے اسے پھینک آؤ کہیں سہی
مری بادہ نوشی کی داستاں خرافات ہے ساقیا
مرے شیخ کو ہے مفیدِ ظن ترے واسطے وہ یقیں سہی
لَمعاتُ وجہکَ اَشرقت وشعاع طلعتکُ اعتلیٰ
سب اسی میں جل کے فنا ہوئے خسِ کفر و خرمنِ دیں سہی

---

چند رباعیاں بھی ملاحظہ ہوں:۔

جب دیکھیے مضمون اذق ملتا ہے ٭ ہر مرتبہ بے پڑھا ورق ملتا ہے
ہر دفعہ کتاب روز و شب کھلتی ہے ٭ ہر روز نیا نیا سبق ملتا ہے

---

گزری جس طرح زندگانی تیری ؛ میں سن چکا قصہ خواں زبانی تیری
سوتا سنسار جاگتا پاک خدا ؛ سچی تھی اسی قدر کہانی تیری

---

لے کے خود پیر مغاں ہاتھ میں مینا آیا
ہائے اے بادہ کشو اس پہ نہ پینا آیا
آج تک دامنِ گل چاک ہے خیاطِ ازل
تجھ کو خلعت بھی حسینوں کا نہ سینا آیا

---

بے موقع نہ ہوگا اگر یہاں شاد کی بعض اُن نظموں کا بھی اشارۃً حوالہ دیدیا جائے جن میں انہوں نے مراثی و مناقب کے سلسلہ میں مناظر فطرت وغیرہ پر اظہار خیال کیا ہے، مقابلہ یا موازنہ مقصود نہیں ہے لیکن جس زمین کو انیس آسمان بنا چکے تھے اُسے کچھ اور نہیں جہاں کا تہاں سنبھال کر رکھنا بھی کچھ آسان کام نہ تھا۔ ادب اور احترام نے ہمیں تک راقم السطور کو بڑھنے کی اجازت دی؛ ورنہ ارباب نظر دیکھیں گے کہ شاد کے ساتھ ہمیں نے انصاف سے کام نہیں لیا ہے مثلاً:۔

---

## صبح کا منظر :-

وہ جلوۂ نور سحری اور دھندلکا ٭ رنگِ رخِ گردوں کہیں گہرا کہیں ہلکا
شب کا تھا گماں صبح پہ اور آج پہ کل کا ٭ اک برق چمکتی تھی جو قطرہ کہیں چھلکا

رخسار کو نوں سے جو گل ڈھانک رہے تھے
تارے بھی نکلے ہوئے منہ جھانک رہے تھے

## در تعریفِ قلم :-

جو زندہ ہیں موتی انہیں ڈھونڈھ کے لانا
بوسیدہ خیالات سے دامن کو بچانا
ہے مخزنِ معنی کبھی لالچ میں نہ آنا
پس خوردۂ اموات نہ ہونٹوں سے لگانا
جز میرے کہیں اور ٹھکانا نہیں تیرا
غیروں کے نوالوں پہ گزارا نہیں تیرا

## تلوار کی تعریف :-

[illegible] پہ اس کی تشدد سے سوا ہو
ہر وضع کے لیے ہے مناسب اگر لگاؤ
[illegible] میں اس کو اگر اٹھاؤ
تنہا کسی مہیب جگہ بھی جو لے کے جاؤ

ہر گام یوں تو بیم و رجا جی کے ساتھ ہے
دل خود بخود کہے کہ کوئی دوست ساتھ ہے

بے ریا کہ وقت پہ مشکل میں کام آئے
وہ دوست ہے زباں سے نکالے تو کر دکھائے

ہر میں یوں خموش ہے لیکن جو لب ہلائے
ڈھونڈھے سے بھی پتا نہ ملے اس طرح مٹائے

اس سے رُکے کوئی تو ہمیشہ رُکی رہے
پہلو میں دبی جگہ تو قدم پر جھکی رہے

گھوڑے کی تعریف:-

وہ اپنی انکھڑیاں کہ چکارا تلک لجائے
ضیغم دبک کے سرد ہو آنکھیں اگر دکھائے

وہ خوش خرامیاں کہ صبا کو ہوا بتائے
گردش جو دیکھے عمر رواں راہ بھول جائے

ناپے ہوئے ہے کب سے زمانے کی حد تلک
پہنچے بیک نگاہ ازل سے ابد تلک

(۳) حاجی بشارت حسین صاحب حفر ۱۲۷۶ھ
میں ضلع عظیم آباد پٹنہ کے ایک گاؤں بڑا ڈیہ میں پیدا ہوئے

آپ اپنے زمانہ میں بہار کے سب سے پرانے اور بزرگ شاعر شمار
تھے۔ آپ کے لاتعداد شاگرد آج بھی آسمانِ شعر و شاعری
پر جگمگا رہے ہیں۔ ابتدا میں آپ نے جناب ازل لکھنوی کو اپنا
کلام دکھلایا ہے، لیکن غائبانہ آپ حضرت آتش کی اتباع
کرتے تھے، چنانچہ ایک دو جگہ آپ نے اس کا اظہار بھی
کیا ہے۔ لکھتے ہیں ؎

اور دمیں لذت خاک نہیں آمد کا مزا ہے اے احقر
وہ چال نہ چل جو لوگ کہیں آتش کے چلن کو چھوڑ دیا

آپ کا کلام بہت کچھ ضائع ہو گیا، صرف ایک دیوان
دو تین مثنویاں، دو واسوخت، رباعیاں، چند قصائد اور
چند قطعات یادگار رہ گئی ہیں، جو بجنسہٖ میرے پاس محفوظ ہیں۔
جناب احقر کی شاعری اور حالات زندگی پر نومبر ۱۹۳۲ء
کے رسالہ معارف میں مختصر طور پر میں تبصرہ کر چکا ہوں۔
نمونہ کلام حسب ذیل ہے:- ؎

کچھ بات ہی ایسی ہے جب سے دم بھر بھی اسے آرام نہیں
اب حال تو یہ ہے احقر کا گر صبح رہا تو شام نہیں
قرباں کروں کیا چیز ہے یہ ہو دل جو پسند اے جان نہیں

مفلس کا سمجھ لو مال اس کو کہ دام اس کا کچھ دام نہیں
کافر و مومن دیر و حرم اسرار ہیں اُس کی حکمت کے
جو واقف ہے وہ واقف ہے ہیں خاص یہ باتیں عام نہیں
گھبرائے جو بندے محشر میں رحمت نے صدائیں دیں بڑھ کر
لکھے سے ملا کر دیکھا ہے تم لوگوں پہ کچھ الزام نہیں
پوچھے جو کوئی احوال مرا کچھ بیچ کی حالت کہہ گزروں
ایسا ہی فسانہ ہے جس کا آغاز نہیں انجام نہیں

---

رہتے ہو جو تم خفا خفا کچھ ؛ بندہ پرور میری خطا کچھ

---

ٹھہر اے موت جلدی کیا پڑی ہے ؛ مہیا کچھ تو سامانِ سفر ہو
بہت عاصی ہیں رندِ سیہ کار ؛ مگر اے واعظو تم بھی بشر ہو
دل کی آشفتگی تو کیا جانے ؛ ایسی باتیں تری بلا جانے
باوفا لوگ جانتے ہیں مجھے ؛ اے او بے وفا تو کیا جانے
بے خبر ہو جو خانۂ دل سے ؛ کعبہ و دیر کو وہ کیا جانے

---

پتھر ہیں دل بتوں کے اللہ موم کر دے
دکھلا دے شان اپنی اے میرے شان والے

تکرار کچھ نہیں ہے آجاؤ یا بلالو

قصہ بڑھا رہے ہیں یہ درمیان والے

نظر سے خوش گزرے۔ لکھنؤ کا طرز بھی ملاحظہ ہو:۔ ؎

بنائے عیش جنس کامرانی مول لیتے ہیں
کوئی پوچھے تو ہم عہد جوانی مول لیتے ہیں

نہ کھینچی جائے گی تصویر اس زلف پریشاں کی
یہ سودا مفت کا بہزاد و مانی مول لیتے ہیں

ہمہ دانی کا میرے اک جہاں قائل ہے اے احقر
اسی دکان سے سب شیریں زبانی مول لیتے ہیں

احقر سے جو پوچھا کیوں تم نے اب شغل سخن کو چھوڑ دیا
بولے کہ گیا جب موسم گل بلبل نے چمن کو چھوڑ دیا

دل پھنس کے کسی کی زلفوں میں کس طرح الٰہی چھوٹ گیا
معلوم نہیں کیا پیچ پڑا کالے نے جو من کو چھوڑ دیا

آنے ہی عجب انداز سے وہ ڈالے ہوئے رخ پہ بالوں کو
زلفیں جو ہٹیں اک شور ہوا سورج نے گہن کو چھوڑ دیا

رباعیات:۔

کیا بزم میں بے حجاب آئی ہے ؛ بدلی ہے تو من کے آفتاب آئی ہے

انگور میں چھپ رہی تھی ظالم جا کر ٭ آج کھینچ کر پیے سامنے شراب پی ہے

---

وحشت تو لے گئی تھی چھڑوانے خاک بن میں
مٹی ہماری لائی پھر گھیر کر وطن میں
کھلنے نہ پائے پردہ مجھ زار ناتواں کا
یارو لپیٹ دینا اچھی طرح کفن میں

---

دنیائے دنی سے روح ناشاد گئی
پھر بھی نہ فلک کی خو سے بیداد گئی
لے کر نہ صبا گئی ترے کوچہ میں
فریاد کہ میری خاک برباد گئی

آپ کے واسوخت میں ایک تو واسوخت احقر ہے، جو اس طرح شروع کیا گیا ہے :۔

ہم کو اس سن میں ہوا عشق قیامت آئی
جان پر بیٹھے بٹھائے یہ مصیبت آئی
فصل راحت کی گئی رنج کی نوبت آئی
ہائے کیا ہوگا ابھی سے جو طبیعت آئی

اس لئے سینہ میں دل آٹھ پہر روتا ہے
دیکھئے دیکھئے انجام کیا ہوتا ہے

یہ واسوخت ۶۲ بند کا ہے اور اپنی زبان کی خوبی اور روانی کے لحاظ سے خاص توجہ کے لائق ہے۔

دوسرا یوریشین واسوخت کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا دوسرا نام "ایک ناکتخدا لیڈی کی کہانی خود اسی کی زبانی" بھی ہے۔ اس میں کل ۵۲ بند ہیں۔ اور اس حیثیت سے کہ اُردو اشعار میں انگریزی الفاظ بڑی بے ساختگی سے کھپائے گئے ہیں۔ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

ایک بند بطور نمونہ ملاحظہ ہو:

تم سے عشق کے میں تو کبھی آگاہ نہ تھی
خبر شادی "ڈسوارڈ" مجھے واللہ نہ تھی
"لو" ہے کیا چیز انگلش کسے کہتے بشر
(عشق)
بی لوڈ ورڈ ہے کیا کہتے ہیں کس شئے کو لور
(محبت) (لفظ) (معشوق) (عاشق)
سرپرائز مجھے اس بات کا ہے حد سے سوا
ایک ہی لک میں مرا ہارٹ یہ پاور نہ رہا
(نظر) (دل)

قومی نظمیں بھی آپ نے اکثر لکھی ہیں، ان میں سے اکثر کو حکومت کی قہر آلود نظروں نے ہمیشہ کے لیے عوام کی نظروں سے غائب کر دیا۔ مسجد کانپور کی شہادت کے موقع پر آپ نے جو ایک درد انگیز مسدس لکھا تھا، اسی نے حکومت کو اس درجہ مشتعل کر دیا کہ احقر مرحوم پر مقدمہ چلانے اور اس مسدس کو ضبط کر لینے پر مجبور ہو گئی۔ مقدمہ سے تو کسی طرح احقر مرحوم کو رہائی ملی لیکن وہ مسدس ہمیشہ کے لئے ضائع ہو گیا۔ کلکتہ کی مسجد کی شہادت کے موقع پر بھی ۷۶ بند کا ایک مسدس "واقعہ قیامت خیز" کے عنوان سے آپ نے لکھا تھا۔ یہ ۱۹۰۱ء میں مطبع قیصری عظیم آباد میں چھپا تھا، اور چونکہ ضبط نہیں ہوا تھا اس لیے اکثر جگہ محفوظ ہے۔ چند بند نمونہ کے طور پر درج ذیل ہیں:-

آج بخت رسا تیری ہوا پھرتی ہے
نظر یار رہِ بے جرم و خطا پھرتی ہے
کہیں تدبیر سے تقدیر خدا پھرتی ہے
دیکھتے ہیں کہ اب آنکھوں میں قضا پھرتی ہے
چشم الفت جو پھری ہے تو پریشانی ہے

تشنگی نرگس ہمیں اس باب میں حیرانی ہے
اس طرف دھوم کہ باغی پہ چلیں تیغ کے تیغ
اس طرف شور کہ بجا ہے یہ ساری ہلچل
سن لو للہ میرا عذر ٹھہر کر اوّل
کچھ لڑائی کے لیئے جمع نہیں ہے یہ دل
ہم لڑیں کیا کوئی یہ جنگ کے تدبیر نہیں
پاؤں میں زور نہیں ہاتھ میں شمشیر نہیں
دم بدم لوگوں پہ بوچھار تھی تلواروں کی
عدل تھا یہ کہ سزائیں تھیں خطا کاروں کی
کیسی برگشتہ تھی تقدیر نگوں ساروں کی
کون سنتا تھا دہائی کو گنہگاروں کی
روح ہونٹوں پہ جو کرتی ہوئی فریاد آئی
گولیاں چلنے لگیں شان خدایا د آئی
ایک وہ دن تھا کہ سب کچھ تھا میسر مجھکو
باج دیتے تھے سلاطین ستمگر مجھ کو
میرے خالق نے دیا تھا وہ مقدر مجھ کو
کہ نظر آتا تھا بخت سکندر مجھ کو

اب حکومت ہے نہ وہ طبل نشاں باقی ہیں
اندلس میں کوئی دو چار مکاں باقی ہیں

(۴) مولانا ظہیر احسن صاحب شوق نیموی (عظیم آبادی)

صوبہ بہار کی بزرگ ترین ہستیوں میں گزرے ہیں۔ جہاں آپ کی اردو دانی کا لوہا لکھنؤ اور دہلی نے مانا تھا۔ وہاں آپ کی عربی دانی کو اہل عرب نے بھی تسلیم کیا تھا۔ آپ کی تالیف آثار السنن علم حدیث کی بڑی معتبر کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔

آپ ضلع پٹنہ کے ایک قریہ نیمی میں پیدا ہوئے سنہ ولادت ۱۲۷۸ ہجری ہے۔ نیمی فتوحہ کے قریب ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ اس مضمون میں اتنی وسعت نہیں کہ شوق کی شاعری اور ان کے حالات بالتفصیل بیان کیے جاسکیں۔ اس وقت شوق کے دو اشعار بطور نمونہ درج ذیل کیے جاتے ہیں:

دامنِ یار سے جا لپٹے ہمارے آنسو
گر کے اس طرح سنبھلتے ہیں سنبھلنے والے

---

دامن کبھی جھٹلتے ہیں کبھی ملتے ہیں وہ ہاتھ

لے شوق ابھی ہوش میں آنا نہیں اچھا

## (۵) مولوی سید علی جان عرف لاڈلے صاحب

بیتاب عظیم آباد کے ممتاز سخنوروں اور جناب شاد کے نہایت عزیز شاگردوں میں تھے اور حقیقت یہ ہے کہ جناب شاد کے بعد ان کی جانشینی کا حق آپ ہی کو حاصل تھا۔ شاد مرحوم اپنی زندگی ہی میں اپنے خاص شاگردوں کو اکثر بیتاب مرحوم کے پاس اصلاح سخن کے لئے بھیجدیا کرتے تھے اور یہ ان کی استادی کا ایک بین ثبوت ہے۔

کلام کا نمونہ درج ذیل ہے :۔

دم نزع آخر نکل آئے آنسو :: کہاں جا کے چوکے وفا کرنیوالے

کتنے الزام آخر اپنے سر :: تم نے غیروں کو سر چڑھا کے لئے

لڑ گئی ان سے نظر کھنچ گئے ابروان کے

معرکے عشق کے اب تیر و کماں تک پہنچے

مار لے وہ نگہ ناز تو رتبہ ہو بلند

سر ہو اونچا مرا گر نوک سناں تک پہنچے

ساقیا لغزش مستوں کی فدا ہوں تجھ پر

ہاتھ تھامے ترے اور پیرِ مغاں تک پہنچے

راہ میں اور کبھی دیوانوں سے ملتے چلتے

پوچھتے پوچھتے ہم ان کے مکاں تک پہنچے

لے گئے عشق کی بازی یہ صفائی بیتاب

جان پر کھیل گئے جانِ جہاں تک پہنچے

(۶) شمس العلماء مولوی محمد یوسف صاحب رنجور:-

ممتاز شاعر اور بلند پایہ ادیب تھے۔ بقول مؤلف خمخانہ جاوید آپ کو زبان پر حیرت انگیز قدرت حاصل ہے۔۔۔۔ اخلاقی اور عشقیہ دونوں طرح کے کلام نظم کرتے ہیں۔ فن سخن کی استعداد بھی عالمانہ ہے۔

آپ کے کلام میں شوخی اور ظرافت کافی پائی جاتی ہے۔ لیکن شوخی متانت کا پہلو لئے ہوئے ہوتی ہے۔ اور یقیناً آپ کی خصوصیات کلام میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ آپ کی "متین شوخی" اور "عالمانہ ظرافت" ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

دشمن نظر بچا کے دبے پاؤں ہٹ گیا

میں اپنے سر پہ کھیل کے مقتل میں ڈٹ گیا

کہتے ہیں دیکھ کے ملکِ دل ویراں میرا
آج تک کیوں کوئی شہر اس میں بسایا نہ گیا

زندگی میں تو رقابت کا سبھی بھرتے تھے دم
قبر میں ساتھ کوئی اپنا پرایا نہ گیا

بولے وہ مجھ کو مرنے پہ تیار دیکھ کر
خوش ہو گئے اب تو حوروں کا دیدار دیکھ کر

دل میں تو حضرت رنجور کے ہے عشق بتاں
گو بہ ظاہر میں مسلماں بنے بیٹھے ہیں

شیخ جی حوروں کے مسکن کی تو یہ راہ نہیں
کوچۂ یار ہے یہ آپ کدھر جاتے ہیں

شیخ دوزخ سے ڈرانے کی ضرورت کیا ہے
ہم تو صورت ہی تری دیکھ کے ڈر جاتے ہیں

تمہاری خانقاہ اے شیخ جی تم کو مبارک ہو
رسائی ہم سے رندوں کی درِ پیرِ مغاں تک ہے

ان کے بھولے پن کے صدقے جایئے
کہتے ہیں مجھ سے تمہیں کیا کام ہے

نماز شیخ ریائی کے پیچھے ہے مکروہ

ہم اپنے پیرِ مغاں کو امام کر لیں گے
بتوں کے عشق میں واعظ مضائقہ کیا ہے
خدا خدا نہ سہی رام رام کر لیں گے
کبھی یہ حضرتِ دل چین سے نہ بیٹھیں گے
ہمارا کام نہ جب تک تمام کر لیں گے
سامنے تیرے اگر وہ پیاری صورت آئے گی
پھر نہ واعظ تجھ کو یادِ حورِ جنت آئیگی
کچھ لامکاں میں گھر تو نہیں ہے رقیب کا
پوچھا کہاں گئے تو وہ بولے کہیں نہیں
کیا حور کی تلاش میں آتا ہے روز ادھر؟
زاہد یہ کوئے یار ہے خلد بریں نہیں

(۷) جناب اقبال علی خاں صاحب وفاؔ۔ بہار شریف کے علم پرور اور فیاض رئیس اور داغؔ کے عزیز تلامذہ میں سے تھے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کے کلام میں جناب داغؔ کا رنگ بہت غالب ہے، وضع بالکل پرانے زمانہ کے رئیسوں کی سی تھی۔

رسالہ الامینؔ کے پرانے پرچوں سے آپکے چند اشعار

بطور نمونہ کے درج ذیل کیے جاتے ہیں:- ؎

توجو بیزار ہے خفا بھی ہے
یہ تو کہہ کچھ مری خطا بھی ہے

اتنا دعویٰ نہ کر خدائی کا
آخر اے بت کوئی خدا بھی ہے

بے وفا تم سا با وفا ہم سا
تمہیں فرماؤ دوسرا بھی ہے

بوسا مانگا تو ہنس کے فرمایا
کہیے کچھ اور حوصلا بھی ہے

---

جگر کو دل کو میرے چیر دیکھو
جہاں شک ہو تم اپنا تیر دیکھو

شکایت کی جو بتائی دل کی
کہا ہنس کر مری تصویر دیکھو

نکالیں کس نے پہلے شر کی باتیں
مری اور اپنی تم تقریر دیکھو

وفا اپنے بدن کو خاک کرنا
یہی ہے نسخۂ اکسیر دیکھو

(۸) حاجی شمس العلما مولانا محمد سعید صاحب

حسرت عظیم آبادی — بہار کے مشہور اہل فضل و کمال میں سے تھے۔ کتاب تحفۃ الاخوان، زاد الفقیر اور قسطاس البلاغۃ مشہور تصانیف ہیں۔ طبقۂ صوفیا علما اور فقرا میں نہایت درجہ مقبول و معتقد رہتے۔

؎ رسالۂ الامین خاص بہار شریف سے زیر ادارت جناب شاہ شفیع صاحب شفیع اور یاس بہاری شائع ہوتا تھا، مگر اب اس کو بند ہوئے عرصہ ہو گیا۔

ولادت ۱۲۳۱ھ میں ہوئی اور ۱۳۰۴ھ میں اپنے مکان ہی کے قریب مغل پورہ میں سپرد خاک کیے گئے۔

مولوی احمد کبیر صاحب پھلواروی نے تاریخ الکملا میں آپ کی تاریخ وفات لکھی تھی، اس کا آخری شعر یہ ہے: ؎

دل خراشیدہ این عطار وگفت   رضی اللہ ربہ بودہ

مولانا کے والد ماجد مولوی واعظ علی صاحب مرحوم عظیم آباد کے بڑے باوقعت رئیس تھے۔ مولانا نے ۱۲۶۲ھ میں حج و زیارت کے ارادہ سے حرمین شریفین کا سفر کیا، اور وہاں کئی سال تک رہ کر حضرت مفتی سید احمد دحلان رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت محمد علی ابن سنوالحسنی الخطابی جیسے برگزیدہ بزرگوں سے علم حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ اور وہاں سے آنے کے بعد درس تدریس اور کتب بینی کے مشغلہ میں اپنی تمام عمر گزار دی، آپ کے شاگردوں اور مریدوں کی اس وقت بھی کثیر تعداد موجود ہے۔

زیادہ تر فارسی اور عربی میں اپنے جذبات کا اظہار کرتے تھے۔ عربی زبان پر ایک اہل زبان کی طرح قدرت حاصل تھی۔ فارسی کلام پر حضرت خسرو کا رنگ غالب ہے۔ بعض

اشعار حسب ذیل ہیں :- ؎

آہ خونِ صد مسلماں ریختی میزنی دم از مسلمانی ہنوز
دین و دل صبر و خرد از ما بغارت می برد

رخسارِ زیبا یک طرف زلف چلیپا یک طرف
معشوق و عاشق را بہم سوز محبت لاجرم
می سوخت لیلیٰ یک طرف مجنوں شیدا یک طرف

فارسی کی طرح اُردو میں بھی آپ کی زبان بڑی شستہ اور پاکیزہ معلوم ہوتی ہے، چونکہ آپ کی زندگی ہی سر تا سر فقر و تصوف میں بسر ہوتی تھی، اس لئے آپ کے کلام میں بھی ہر جگہ صوفیانہ اور عارفانہ ہی رنگ پایا جاتا ہے ؎

دکھا کر اپنا جلوہ کر دیا ہر شے سے مستغنی
حسد ہے بادشاہوں کو گدائے یار پر کیا کیا
واجب و ممکن میں ہے اک ربط خاص
رازدارِ کن فکاں ہوں کیا کہوں
درد کا مجھ میں اثر ہو کچھ سعید
میں سراغ رفتگاں ہوں کیا کہوں
زخم دل پر مرے ہنس ہنس کے چھڑکتے ہو نمک

یہ مزا عشق کا حاصل نہ ہوا تھا سو ہوا

کیا تڑپ کر دلِ مجروح نے کی بے لطفی

خوں سے تر دامنِ قاتل نہ ہوا تھا سو ہوا

## (۹) حاجی حافظ سیّد شاہ نذر الرحمٰن صاحب

**حفیظ**۔ مولانا محمد سعید صاحب حسرت کے نبیرہ اور سجادہ نشین تھے۔ عظیم آباد کے سربرآوردہ شعراء میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ حکیم آغا حسن ازل لکھنوی سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ آپ کے بارہ میں مؤلف خمخانۂ جاوید لکھتے ہیں :-

"۱۳۱۱ھ میں آپ کا ایک مبسوط دیوان بھی طبع ہو کر شائع ہوا ہے جو اپنے رنگ میں ہر طرح قابلِ تعریف ہے جدت پسندی، مضمون آفرینی، پرواز صوفیانہ، کہنہ مشقی، سلاست زبان، غرض اس کے دیکھنے سے ہر ایک بات کا پتہ چلتا ہے"[۱]

نمونۂ کلام یہ ہے :- ؎

دیکھ کر لاش مری کہتے ہیں     یہ نہ سمجھے تھے کہ مر جائے گا

---

[۱] خمخانۂ جاوید جلد ۲ صفحہ ۴۸۶

بے وفائی کی جب شکایت کی ہنس کے بولے کہ آزماتے ہیں

نہ دل میں آکے رہتے ہو نہ آنکھوں میں ٹھہرتے ہو

وہ بے پروا ہو رکھتے ہو خبر گھر کی نہ باہر کی

اس لئے اب تو گنہ روز کیا کرتا ہوں

دیکھنا ہے تری قدرت کا تماشا ہم کو

رہا کرے بھی جو صیاد تو کہاں جائیں

اسیر وہ ہیں کہ ہم بال و پر نہیں رکھتے

جھوٹی تسلی تو مجھے باور نہیں بندہ نواز

آپ اور ہونگے مرے غمخوار رہنے دیجئے

منتوں سے جو ہو بیزار خوشامد سے خفا

ہائے اس روٹھنے والے کو منائیں کیونکر

بادہ پرست ہیں ولے، دل پہ بھی اختیار ہے

توبہ کریں گے ہم مگر اب کی بہار دیکھ کر

(۱۰) **شاہ عطا کریم عطا** - آپ کا تاریخی نام مظاہر الحق تھا - آپ ۱۲ صفر المظفر سنہ ۱۲۸۵ھ مطابق سنہ ۱۸۶۶ء میں بہار شریف کے ایک محلہ مرادپور میں پیدا ہوئے اور ۱۴ رجون سنہ ۱۹۳۲ء کو چھیاسٹھ سال کی عمر میں

اللہ کو پیارے ہوئے۔ آپنے عربی فارسی کی تعلیم مولینا یوسف جان صاحب بہاری سے حاصل کی تھی، اور ابتدا میں اپنی اُردو فارسی غزلیں بھی ان کو دکھلاتے رہے تھے لیکن اردو غزل میں دراصل آپ منشی امیر اللہ صاحب تسلیمؔ کے شاگرد تھے۔ اپنی فارسی غزلوں میں البتہ آپ مولانا شاہ جلیل الرحمٰن حسین عرف شاہ فرزند علی صوفی منیری تلمیذ غالبؔ سے مشورہ لیتے تھے۔ اس طرح اُردو شاعری کے لحاظ سے آپ کا سلسلہ تلمذ عطاؔ، تسلیمؔ، نسیمؔ، مومنؔ اور فارسی شاعری کے لحاظ سے عطاؔ، صوفیؔ، غالبؔ ہوتا ہے۔

تمام اصناف سخن پر آپ کو قدرت حاصل تھی غزلیات، قصاید، رباعیات، قطعات اور مثنویات کے علاوہ مکمل پندنامہ فریدالدین عطار کو آپنے عام فہم اور سلیس اُردو میں منظوم کیا تھا۔ آپ کے کلیات کا مجموعہ غیر مطبوعہ خانقاہ اسلام پور میں موجود ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں۔

کلیاں نکل رہی تھیں اسیر قفس ہوئے
اب کون سی اُمید رکھیں بال و پر سے ہم

غمزہ سے حیا شوخ حیا سے ہے ادا شوخ
سرتا بہ پا ہے وہ بت ماہ لقا شوخ
غیروں نے کہا تم کو جو پرفن تو نہ بگڑے
بل تیوریوں پر آگیا ہم نے جو کہا شوخ

---

کہتی گئی یہ چلتے چلتے جب روح نے تن کو چھوڑ دیا
ہر قید سے ہم آزاد ہوئے جب دار محن کو چھوڑ دیا
ہے وقت کا یار جسے دیکھو منہ دیکھی ہے الفت سب کو
اب اور بھروسہ کس پر ہو جب روح نے تن کو چھوڑ دیا
دل مٹھی میں لیکر مجنوں کا ادارہ وطن لیلیٰ نے کہا
جب مشک کا نافہ کاٹ لیا صحرا میں ہرن کو چھوڑ دیا
جب اس نے کہا اے میرے عطا اسوقت میرا ماتھا ٹھنکا
کس وجہ سے یہ طرز سخن بدلا کیوں حیلہ و فن کو چھوڑ دیا

---

نگاہ کج ہی سہی اے شہسوار دیکھ تو لے
پڑا ہوا کوئی امیدوار راہ میں ہے

---

(۱۱) سید محی الدین حسن محویؔ۔ آپ کے والد صاحب کا نام سید حسن تھا۔ کم سنی میں گھر بار چھوڑ کر بغداد چلے گئے تھے۔ عربی، فارسی کی تعلیم آپ نے وہیں حاصل کی۔ عرصہ تک مقامات مقدسہ کی زیارت وغیرہ سے جب آپ کا جی بھر گیا تو بہار شریف تشریف لائے اور محلہ مرداد ڈپٹی سید علی حسن صاحب مرحوم کی بہن سے آپ کی شادی ہوئی۔ آپ کا اصل ذوق عربی فارسی میں شعر کہنے کا تھا لیکن اُردو میں بھی اکثر آپ شعر کہتے تھے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ نمونہ کے لیے کوئی اُردو شعر نہ حاصل ہو سکا۔ ۲۴ رمضان المبارک سنہ ۱۳۵۱ھ مطابق سنہ ۱۹۳۲ء کو آپ نے دنیا سے آنکھیں پھیریں۔ فارسی اشعار سے دو چار شعر نمونۃً درج ذیل ہیں:۔

من اسیر زلف خوبانم ہنوز — زیں بلا از بس پریشانم ہنوز

آتش خوئے حسیناں سوخت دل — در خیال شعلہ رویانم ہنوز

محویؔ دل خستہ را خوں ریختی

در شانت گوہر افشانم ہنوز

(۱۲) حضرت صفیرؔ بلگرامی۔ آرہ شاہ آباد کے

قریب سادات کی ایک مشہور بستی کو اکھ ہے۔ آپ کا خاندان بلگرام سے آکر یہیں آباد ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر بیلی پروفیسر لندن یونیورسٹی اپنی کتاب ہسٹری آف اُردو لٹریچر (تاریخ ادب اُردو) مطبوعہ سنہ ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۲ میں اس مایہ ناز فاضل کے بارہ میں اپنی رائے کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:۔

"صفیر بلگرامی..... زندگی کا زیادہ حصہ ان کا آرہ میں گذرا۔ نظم میں ان کا کلام بہت کچھ ہے۔ بالخصوص غزلیات۔ ان کی مطبوعہ کتابوں میں صلوات خضر، بیاض اشعار، اور صفیر بلبل، و خمخانہ صفیر دو دیوان غزلیات کبھی ہیں۔ ایک ناول روح افزا بھی لکھا تھا جو طبع نہیں ہوا، مگر ان کی اہم ترین تالیف جلوہ خضر ہے۔ یہ تاریخ ہے ادب اُردو کی، اور مؤلف کے خیال میں آزاد کی آب حیات میں جو غلط بیانیاں تھیں انہیں کی تصحیح کے لیے یہ کتاب لکھی گئی۔

اس خاندان سے غالب کو بہت زیادہ عقیدت تھی۔ ایک خط میں صفیر بلگرامی کو اس طرح لکھتے ہیں:۔

"بہ علاقۂ مہر و محبت نورِ چشم و سرورِ دل اور برعایت سیادت مخدوم و مطاع مولوی سید فرزند احمد...... اشعارِ گہر بار دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ سب اچھے ہیں، مگر جو میرے دل میں اُتر گئے وہ تم کو لکھتا ہوں۔ ~

ہائے وہ لب ہلا کے رہ جانا　　ابھی کچھ بات کر نہیں آتی

ورق ہیں جوشِشِ مضمونِ گریہ سے بادل
لسانِ ژالہ ہے ہر نقطۂ کتاب میں آب
کبھی ہوں گرم کبھی سرد حسبِ موقع وقت
صفیرؔ آگ میں ہوں آگ اور آب میں آب

---

تم سلامت رہو قیامت تک
صحت و لطفِ طبع روز افزوں
نجات کا طالب غالبؔ
۲۵ ذیقعد ۱۲۸۱ھ

جلوۂ خضر تذکرہ اُردو میں بہت بلند پایہ تصنیف شمار کی جاتی ہے، آپ ایک ہی وقت میں جہاں قادر الکلام شاعر تھے

وہاں بلند پایہ نثر نویس بھی تھے۔ نظم میں آپ کے تصانیف کی بہت طویل فہرست ہے۔

تین دیوان فارسی کے علاوہ آٹھ اردو کے دیوان۔ چار فارسی کی مثنویاں اور چھبیس اردو کی موجود ہیں۔ قصائد، رباعیات، قطعات اور واسوخت بھی کئی جلدیں ہیں۔

جناب وصی بلگرامی نے بہار نمبر ۱۹۳۵ء میں ایک بہت ہی عالمانہ اور دلچسپ مضمون لکھا ہے۔ جس میں صفیر بلگرامی کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے:۔

آنکھ میں دل میں کرم فرمائیں آپ
آئیں آپ اے بندہ پرور آئیں آپ
یہ سکھاتی ہے ان آنکھوں کو حیا
شرم بھی آ رہے تو شرما جائیں آپ

---

میرے آگے غیر سے اس طرح یارانے کی بات
واقعی ہے اے ستمگر یہ تو مر جانے کی بات
جب کہا حیرت ہے۔ میں تم پر فدا تم غیر پر
ہنس کے بولے اپنے اپنے دل کے آ جانے کی بات

ے صفیر اس سوز غم سے کون عاشق بچ سکے
جل بجھا کل رات دیکھی تم نے پروانہ کی بات

---

حر آیا وصل جاناں الغیاث
تیرہ شب ہے ماہ تاباں الغیاث
ل لئے کب سے کھڑا ہوں ہاتھ میں
الغیاث اے تیر مژگاں الغیاث
رات فرقت کی نہیں کٹتی ہے آہ
الغیاث اے مہر رخشاں الغیاث
ان کے در سے اب اُٹھاتے ہیں رقیب
الغیاث اے کوئے جاناں الغیاث

---

اُڑ کے ڈسنا افعیٔ زلف دوسر کا کھیل ہے
وحشیوں کو روکنا تیری نظر کا کھیل ہے
لخت دل کا کھیل ہے اور رشک تر کا کھیل ہے
عشق کے بازار میں لعل و گہر کا کھیل ہے
کاسۂ سر ہاتھ میں لے کر چلا منصور کیا

یہ تو ادنیٰ عاشقِ آشفتہ سر کا کھیل ہے

طبعِ معنی یاب بھی درکار ہے اسکو صفیرؔ

شاعری میں کیا فقط علم و ہنر کا کھیل ہے

---

**(۱۳) جناب فضل حق صاحب آزادؔ** ۔ صوبہ بہار کا یہ ہمہ داں شاعر اس عہدِ جدید کا بانی گذرا ہے۔ اس نے اُردو شاعری کی ایک نئی راہ نکالی جس پر بہار کے ترقی پسند شعراء آج کل گامزن ہیں۔ آپ کو اُستادوں کی مجلس میں ممتاز جگہ حاصل ہے۔ آپ کی شاعری کے متعلق مؤلف خمخانۂ جاوید کی رائے ہے:۔

"معمولی فرسودہ خیالات سے آپ کی جدت پسند طبیعت متنفر ہے، آپ کی نظم میں اچھوتے نیچرل خیالات اکثر پائے جاتے ہیں، اگرچہ کہیں بوجہ ئے معلومات و تبحرِ علمی شوکتِ الفاظ زیادہ ہوتی ہے، مگر نہ ایسی کہ قابلِ گرفت ہو، آپ کی کوئی نظم لطف سے خالی نہیں پائی، بلکہ جدتِ خیال اور سلاستِ بیان اس پر مستزاد ہے۔"

؎ خمخانۂ جاوید جلد اوّل صہ ۲۴

آزاد اخباری دنیا میں کافی مشہور ہیں۔ رسالہ مخزن لاہور اور اُردوئے معلیٰ علی گڑھ میں آپ کا کلام برابر شائع ہو کر اہلِ ذوق حضرات سے خراجِ تحسین وصول کرتا رہا ہے۔

مشتے نمونہ از خروارے:

حور پردہ میں ہے چوتھی کی دُلہن چلمن میں
مئے گل رنگ ہے یا لال پری شیشے میں

نگہ ناز کوئی چشمِ فسوں ساز میں ہے
یا بھری ہے یہ مئے بے خبری شیشے میں

---

جا چکی گلشن سے جب فصلِ بہار ؛ آہ کب رخصت ملی پرواز کی
جام مئے سرشارِ ساقی مہرباں ؛ لب تک آ جائیں نہ باتیں راز کی
رنگ میں آزاد یہ اُردو غزل ؛ ہے بھری بوتل مئے شیراز کی

---

لالہ کو کہاں نصیب وہ داغ ؛ جو دل کو دیئے ہیں آرزو نے
خنجر ہوا سرخرو لہو سے ؛ لالی رکھ لی رگِ گلو نے
بری ہو احتمالِ کذب سے ہرگز نہ پر بیتی

جو لکھیے آپ بیتی کیونکر اس کو برملا لکھیے
کس و ناکس کو اپنے حال سے کیوں کیجئے واقف
جو اس کے اہل ہیں خود مبتلا ہیں اُن کو کیا لکھیے
خموش آزادِ نطق بے اثر سے خامشی اچھی
نہ اپنا مدعا کہیئے نہ اپنا مدعا لکھیئے

---

(۱۴۱) **ابوالجمال محمد احسن سخن**:- آپ صوبہ بہار کے ایک کہنہ مشق شاعر گزرے ہیں۔ اردو شعر و ادب کی آپ برابر خدمت کرتے رہے۔ سنہ ۱۹۰۴ء سے لے کر جب تک اخبار الپنچ قائم رہا۔ آپ اس کے سرگرم لکھنے والوں میں رہے۔ اُردو فارسی کے علاوہ ہندی بھاشا پر بھی آپ کو کافی قدرت حاصل تھی، جس کی وجہ کر آپ کی اُردو نثر اور نظم دونوں میں بڑی دلکشی اور چاشنی پائی جاتی ہے۔ آپ نے اپنی کلیات اُردو اور دیوان فارسی اپنی زندگی میں مرتب کیا تھا۔ لیکن آپ کی بے وقت موت نے اس کی طباعت کا موقع نہ دیا اور اب غالباً ان کے ناقدرشناس اعزا کے ہاتھوں ضائع ہو رہا ہے۔ آپ کا

قال ۱۹۳۶ء میں ہوا۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے:۔

ہیں کہ تمنائے مسیحا نہیں کرتے
تم ہو کہ کبھی حال بھی پوچھا نہیں کرتے

ں کرکے مکر جاتے ہو اچھا نہیں کرتے
جو بات کے پورے ہیں وہ ایسا نہیں کرتے

م دے کے زباں پاس زباں کا نہیں کرتے
اچھا نہیں کرتے ہو یہ اچھا نہیں کرتے

ہا ہے تصوف کا مزہ نظم سخن میں
حالانکہ وہ دینداروں میں بیٹھا نہیں کرتے

---

کسی کا مئے پلانا وہ ادا سے کام لینا
کبھی کر کے چھین لینا کبھی ہنس کے جام دینا

ہ تھا کوہکن کا قصہ جسے سن چکے ابھی تم
یہ فسانہ ہے ہمارا ذرا دل کو تھام لینا

ہ نقاب اس نے الٹی مرے پاؤں لڑکھڑائے
وہ گدھر ہے ذوق جلوہ ذرا مجھکو تھام لینا

---

پردۂ کفر میں ایماں کی دولت پائی
بتکدے میں نظر آئی تری صورت ہم

دل تو کیا چیز ہے ہم جان بھی دیدیں اپنی
کچھ اشارہ تو کرے چشم محبت ہم

---

نقش بر آب گرچہ ہوں پھر بھی ہوں نقش کالحجر
کیوں یہ مرے مٹانے کی فکر میں آسماں ہے

مذہب حسن و عشق میں ترک شراب ہے گناہ
بادہ سخن کی روح ہے بادہ سخن کی جان ہے

---

وہ شوخ یہاں آئے یا دم ہی نکل جائے
مرنے سے تو بدتر ہے دن رات کا غم سہنا

تم کھیل سمجھتے ہو دن رات کے رونے کو
طوفان اٹھائے گا ان آنسوؤں کا بہنا

حوریں بھی سخن اچھی پریاں بھی سخن اچھی
انسان پھر انسان ہے انسان کا کیا کہنا

---

متاخرین کا دور شاد کی حسب ذیل نظم پر ختم کیا جاتا ہے۔

ملک[1] کیونکر نہ روئیے اب عظیم آباد کے اوپر
نہ اب باقی بلاغت ہے نہ یاں شور فصاحت ہے

کہاں بیدل، کہاں ملا علی تحقیق سا کامل
پتہ یہ بھی نہیں ملتا کدھر دونوں کی تربت ہے

کہاں ہے راسخ مرحوم، سرخیل نواسنجاں
کہ فخر میر استاد جہاں جس سے عبارت ہے

وہ موزوں نظم کی کیفیتوں کو جو سمجھتا تھا
وہ عشق ذو فنوں مشہور جو پیر طریقت ہے

کہاں ہے شیفتہ کس جا ہے شیدا ہے کہاں کاہش
کہاں کیفی، کہاں مفتون پاکیزہ طبیعت ہے

ذبیح خوش کلام اب کون سے گلشن میں جا پہنچا
کہاں ہے یاس اور تسکین کی کس جا سکونت ہے

---

[1] یہ ایک قطعہ ہے جسے شاد مرحوم نے سنہ ۱۹۰۸ء میں کسی موقع پر پڑھا تھا۔ غالباً ابھی تک یہ غیر مطبوعہ ہے۔ ان میں بعض ان شعرا کا نام بھی ہے جن کا میں نے اپنے مضمون میں طوالت کے خیال سے تذکرہ نہیں کیا ہے۔ ۱۲

شہر کیا ہو گیا آتشکدہ ہے دہر فانی کے
کدھر ہے احمدِ منشا کہاں اس کی ذکاوت ہے
کہاں ہے الفتی جوہر شناس اہلِ فن اے دل
یہ نقدِ فارسی دانی یہاں جس کی عنایت ہے
کہاں ہے وہ ضمیرِ باکمال و وحشتی یارب
کدھر ہے عبرتی اے وائے کیا کیا جائے عبرت ہے
اندھیرا کیوں نہ ہو برزخ لحد میں ہے قمر پنہاں
ضیا باقی نہیں اس شہر کی بے نور صحبت ہے
کہاں تسلیم اور مائل کدھر شاگرد ہے اس کا
کدھر ہے فیضِ مشہورِ جہاں جس کی ریاست ہے
کہاں مہری کہاں ہے تہذی دیکھوں کدھر جا کر
کدھر آشفتہ ہے مجنوں کہاں ہے دل کو کلفت ہے

.. .. .. .. .. .. .. .. .. ..

.. .. .. .. .. .. .. .. .. ..

رکا رہتا ہے دم نالے دباتے ہیں گلا اپنا
ہجومِ یاس ہے چاروں طرف از خیلِ حسرت ہے
پڑھو اشعار چند اے شاد گو طاری ہے غم کہ سمجھ رکھو کہ یہ صحبت پھر اس شب کی غنیمت ہے

**دورِ حاضرہ** موجودہ قابلِ ذکر شعرا کی کثرت تعداد کو ملحوظ رکھتے ہوئے مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت صرف چند شعرا کا تذکرہ کر دینے پر اکتفا کروں۔ ان شعرا کو بغیر کسی قسم کی قید کے محض مثالاً پیش کرتا ہوں۔ اس سے قطعاً یہ مقصود نہیں ہے کہ موجودہ شعرا میں صرف یہی چند حضرات قابلِ ذکر ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ زندہ مصنف یا شعرا کی صلاحیتوں یا امکانات پر رائے زنی کرنا کسی حد تک قبل از وقت ہوتا ہے، اس لئے ان پر حکم لگانا ایک طرح کی زیادتی ہے، جن شعرا کا میں تذکرہ کر رہا ہوں ان پر کوئی آخر اور فیصلہ کن رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ مقصود صرف نمونۂ کلام پیش کرنا ہے نہ کہ شاعر کی شخصیت یا حیثیت۔

(۱) **حضرت شفق رضوی عماد پوری** — آپ آج کل کے بڑے کہنہ مشق شاعروں میں ہیں۔ قیام زیادہ تر الہ آباد میں رہتا ہے، آپ کا کلام ہندوستان کے علمی اور ادبی پرچوں میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ رنگ بیشتر صوفیانہ ہوتا ہے۔ نمونہ یہ ہے:

کیوں طور پہ جائیں اے موسیٰ وہ دل میں نظر آ جائے گا

نزدیک سے جو دیکھا نہ گیا کیا دور سے دیکھا جائیگا
جب آخری منزل آئے گی وہ سامنے خود آ جائے گا

اِک اِک پردہ دوری کا ہر سانس پہ اُٹھتا جائے گا
گھر سے ہمیں کیا مطلب ہے شفقؔ گھر والے کے مل جانے سے غرض

بت خانہ میں وہ نہ ملا نہ سہی کعبہ میں نظر آ جائے گا

جو ہو پاسِ ادب مانع عیاں رازِ نہاں کیوں ہو[1]
دہن میں پھر زباں کیوں ہو زباں پر پھر فغاں کیوں ہو

مکاں یا لامکاں جس گھر میں تم ہو پوچھنا یہ ہے
نشاں اپنا بتا کر سب کو ایسے بے نشاں کیوں ہو

کبھی گلچیں کبھی صیاد جس کو دور سے تاکے
چمن میں ہمصفیرو! اتنا اونچا آشیاں کیوں ہو

کوئی در ہو جہاں رکھ دو گاں سر بن جائے گا کعبہ
غرض سجدوں سے پھر اک خاص آستاں کیوں ہو

بہار آنے سے پہلے ہم اُٹھا لیں آشیاں اپنا
خفا گلچیں۔ عدو صیاد۔ دشمن باغباں کیوں ہو

---

[1] رسالہ ندیم ماہ مارچ ۱۹۳۳ء صہ ۳۱

خدا جانے یہ کیسی دوستی ہے دشمنی کیسی
بنو تم دوست جسکے اس کا دشمن آسماں کیوں ہو

شفق تونے نہ کی جب قدر اپنی بے نیازی سے
کسی کو کیا غرض ایسے کا کوئی قدرداں کیوں ہو

**(۲) مولٰنا محی الدین صاحب تمنّا عمادی مجیبی**

(پھلواروی) :- آپ عظیم آباد کے بڑے پُرگو شاعر ہیں۔ بہار کے لئے آپ کی ذات بسا غنیمت ہے۔ کلام میں سنجیدگی اور متانت پائی جاتی ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:-

جس گلی سے لوگ لائے تھے بصد مشکل مجھے
لو وہیں پھر لے چلا کم بخت میرا دل مجھے

رُخ تو میرا پھیر دے اے موجِ دریا اس طرف
دور ہی سے کچھ کہے شاید لب ساحل مجھے

خاک تو میں ہوں مگر خاکستر پروانہ ہوں
جانیے اک یادگار گرمیٔ محفل مجھے

ناتواں ہوں کس قدر دوڑوں ذرا تھم ساربان
کچھ اشارے کر رہا ہے پردۂ محمل مجھے

جاگتے میں کون آتا؟ دل ہی کتنا چور کا

حشر پہنچا دیکھ کر سویا ہوا غافل مجھے

لوگ کرتے ہیں تمنا کس لئے کسب ہنر

اپنی تحصیلِ ہنر سے کیا ہوا حاصل مجھے

## (۳) حافظ سید شاہ محمد شفیع صاحب فردوسی

بہار کے مایۂ ناز شاعر ہیں۔ آپ کے کلام کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ قریب قریب صوبہ بہار کے ہر رسالہ میں آپ کا کلام برابر بڑے آب وتاب سے شائع ہوتا رہتا ہے، آپنے ایک زمانہ تک قصبۂ بہار سے رسالہ "الامین" کو نکال کر علم و ادب کی خدمت بھی کی ہے۔ مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ ابتدا میں جناب اخترؔ مرحوم سے مشورۂ سخن لیتے تھے۔ کلام کا رنگ زیادہ تر تصوفانہ ہوتا ہے، لیکن آپ کی اکثر غزل میں شوخی بھی پائی جاتی ہے۔

نمونۂ کلام:- ؎

تھی عشق میں غم کی نہ کمی خون جگر کی

کھا پی کے بہت چین سے اوقات بسر کی

مشکل نظر آتا تھا گلا کاٹ کے مرنا

آخر یہ مہم بھی تیرے جانباز نے سر کی

حیران ہیں دل ایک ہے، چوٹیں ہیں ہزاروں
کھاتے ہیں کدھر کی تو بچاتے ہیں کدھر کی

پھر سن کے مرا نالہ وہ گھبرا کے کہیں گے
کم بخت کو اس پر بھی شکایت ہے اثر کی

یہ نالۂ مہجور ہے یا نغمۂ داؤد
ہلچل ہے شفیعؔ آج سر عرش اثر کی

(۴۴) شاہ محمد الیاس صاحب یاسؔ - آپ قصبہ بہار کے کہنہ مشق شاعر ہیں - فارسی شاعری پر تبحر ہے بذاتہٖ مجھے ان کے فارسی کلام میں اردو سے زیادہ لطف آتا ہے، گو اس میں شک نہیں اردو کلام بھی کافی بلند پایہ ہوتا ہے، ایک مدت سے اردو شاعری کی گراں بہا خدمت کر رہے ہیں -

نمونہ درج ذیل ہے :-

تپش کی راحت اندوزی کہ روحِ زندگی میری
وہ کیسے لوگ ہیں جو درد سے فریاد کرتے ہیں

پس مردن ہمارے ضبطِ غم کی داد ملتی ہے

وفا کا نام جب آتا ہے تم کو یاد کرتے ہیں
ہمیشہ ہم نے دیکھا ان کو محوِ خود فراموشی
خدا جانے جنابِ یاس کس کو یاد کرتے ہیں

## رُباعی

اندیشۂ انجامِ عمل کرنا تھا ٭ یا خوف یہ ہنگامِ عمل کرنا تھا
تو یہ بھی نہ کی یاس پسِ سوءِ عمل ٭ کچھ تو ارے بدنامِ عمل کرنا تھا

---

ہائے ناکامیٔ الفت دائے مجبوریٔ عشق
غیر سے کرنی پڑی ہے التجا تیرے لئے

(۵) **جنابِ جمیل مظہری**: آپ آج کل کے نوجوانوں میں صوبۂ بہار کے مقبول شاعر ہیں اور ادبی دنیا میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، قیام زیادہ تر کلکتہ میں رہتا ہے جنابِ وحشت سے آپ کو تلمذ حاصل ہے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے: ؎

جنگل کی خامشی میں چھوٹی سی اک دنیا ہو
تو ہو تری عذرا ہو میں ہوں میری رادھا ہو
محفل میں جب دو نظریں چپکے چپکے ملتی ہوں

کوئی سہمی جاتی ہو، کوئی جھینپا جاتا ہو

موجیں ماتم کرتی ہیں اس کشتی کی قسمت پر
جس کے تختے ٹوٹے ہوں جس کا مانجھی سویا ہو

درد جمیلؔ اس دنیا میں شاعر کا سرمایہ ہے
شاعر اس کو کہتے ہیں جو اپنی بیتی گاتا ہو

---

تلاش کرنے سے دنیا میں کیا نہیں ملتا
مگر وہ درد جو ہو لا دوا نہیں ملتا
میں اس خدائے تمنا سے کیا سوال کروں
خود اپنے ذوق کا مجھ سے پتا نہیں ملتا
نہ مے گراں ہے نہ ساقی کی چشم لطف بخیل
مگر کسی کو پیالہ بھرا نہیں ملتا
جمیلؔ کے لئے بے چین ہے نظر ان کی
پھر آج بزم میں وہ بے وفا نہیں ملتا
اسے متاعِ وحشت کا حق نہیں ہے جمیلؔ
جسے کہ دردِ جگر میں مزا نہیں ملتا

ایک رباعی بھی ملاحظہ ہو: ؎

صد چاک ہوا گو جامۂ تن مجبوری تھی سینا ہی پڑا
مرنے کے لئے وقت مقرر تھا مرنے کے لئے جینا ہی پڑا
پینے ہی کہا تھا ساقی نے "اس جام میں تلخی ہے جمیل
پر مانگ کے واپس کرنے کا موقع ہی نہ تھا پینا ہی پڑا

## (۷) جناب شاہ اکرام الدین صاحب عرفان۔

ان معروف و مغتنم ہستیوں میں سے ہیں، جن پر بہار بجا طور پر ناز کر سکتا ہے۔ صوبۂ بہار کے ایک باوقعت رئیس ہیں۔ آپ کی سیر چشمی اور علم پروری کا شہرہ دور دور تک ہے۔ قیام زیادہ تر اسلام پور ایک چھوٹے سے قصبے میں ہے، آپ فارسی اور اردو دونوں میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ اردو کلام آپ کا بڑا سنجیدہ اور عارفانہ ہوتا ہے۔ کلام کا نمونہ درج ذیل ہے ؎

خطِ سبز اس آتشیں رخسار پر — ہے دلیل اعجازِ حسنِ یار پر
لاکھ جانیں ہوں تو کر دیجئے نثار — یار تیری لذت دیدار پر
ہائے ساقی تیرے میخواروں کا جوش — آنکھیں پڑتی ہیں ترے میخوار پر
شوق سے لیجئے متاع دل مگر — قرض ہے یہ حسن کی سرکار پر
ساغر الفت کے جو بیہوش ہیں — ہے انہیں ترجیح سو ہوشیار پر

صورتِ پروانہ عمرِ فانی بھی آج جان دیدی شعلۂ رخسار پر

(۴۴) جناب سید ولی الرحمٰن صاحب ولیؔ

ڈپٹی مجسٹریٹ — موجودہ شعرا میں ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ فارسی پر بڑی قدرت حاصل ہے۔ مگر زیادہ تر اردو ہی میں کلام موزوں فرماتے ہیں۔ یہ صرف ایک شاعر ہی نہیں، بلکہ بلند پایہ ادیب بھی ہیں۔ آپ کے علمی مضامین بہار کے اکثر علمی رسالوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اردو میں غزل سے زیادہ نظم لکھنی پسند کرتے ہیں۔ آپ ضلع گیا کی ایک بستی کاکو کے رہنے والے ہیں۔ آپ کے چند اشعار درج ذیل ہیں:—

حسن صبیح ہے غضب قہر ہے گیسوئے دراز
خال سیاہ ہے ستم فتنہ ہے چشم سحر ساز

نعمتِ لازوال ہے عشق نے کر دیا غنی
جان ہے وقف لے۔ خودی دل ہی ہے میں سوز و ساز

اشک فشاں ہی چشم زار در پہ ہوں تیرے سجدہ بار
مذہب عشق میں یہی اپنا وضو ہے اور نماز

برق بھی بے قرار ہے ہارے لیے تیری شوخیاں

حشر بھی پائمال ہو اُف رے تیرا خرامِ ناز

دہر میں نہ وہ حرم میں وہ مسجد و میکدہ میں وہ

عالمِ عشق میں نہیں فرقِ حقیقت و مجاز

میری جبینِ سجدہ ریز بن گئی جزوِ خاکِ در

تو بھی ہوئی نہ ملتفت تیری ادائے بے نیاز

شاہ و گدا کی کیا تمیز مسلکِ حسن و عشق میں

ہے دلِ غزنوی یہاں بستۂ گیسوئے ایاز

آخر شب ہے اے ولی اور وہ محوِ خواب ہیں

اپنا فسانۂ الم ختم کر اب زباں دراز

## (۹) پروفیسر عبد المنان صاحب بیدل۔

صوبہ بہار کے ایک نغز گو شاعر ہیں۔ کلام میں رنگینی پائی جاتی ہے۔ زبان صاف اور سلیس ہے۔ فارسی ادب پر بھی آپ کو قدرت حاصل ہے۔ نظم کے علاوہ آپ اردو ادب کے ایک بلند پایہ نثر نویس بھی ہیں۔

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:۔

جھکی کس آستانے کی زمیں پر — نشاں خنجر کا ہے اپنی جبیں پر

لبوں پر آ گیا آخر تبسم — نہ زور اُن کا چلا چینِ جبیں پر

وہ دل جو تھا حریفِ شوخیِ ناز ہوا قرباں چشمِ شرمگیں پر
یہ الزامِ مصیبت تیرا ناصح غلط ہے عشقِ راحت آفریں پر
کہا کس نے میں مایوس لوٹا غبارِ آستاں تو ہے جبیں پر
کیا جس وقت ضبطِ نالۂ بیدلؔ
قیامت ہو گئی قلبِ حزیں پر

---

اس کو اب بے خبر کریں کیونکر زندگی ہم بسر کریں کیونکر
تم خفا پر بھی تو نہیں قائم ہم وفا عمر بھر کریں کیونکر
پاؤں رکھتا ہے غیر بھی اس پر سجدۂ سنگِ در کریں کیونکر
ہم نہیں بولتے ہیں ناصح سے بات کو بے اثر کریں کیونکر
کہیں شرما کے وہ نہ چھپ جائیں ہم نظر سوئے در کریں کیونکر
تیرے شکوے بجا سہی بیدلؔ لیکن اس کو خبر کریں کیونکر

---

(۱۰) پروفیسر اختر احمد اختر اورینوی: نوجوان شاعر اور ادیب ہیں۔ کلام میں بڑی صفائی پائی جاتی ہے۔ افسانے بلند پایہ اور معیاری لکھتے ہیں۔ اس وقت صوبہ بہار کے ترقی پسند ادیبوں میں آپ کا ممتاز درجہ ہے۔ رسالۂ ندیم سے

ان کے چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل کیے جاتے ہیں: ؎

پہلے تو بہت ناداں تھے وہ اب ان کی شرارت کیا کہیے
اس شوخ ادا کی باتوں میں جملوں کی لطافت کیا کہیے
تھم تھم کے وہ رونا آنکھوں کا اور زخم جگر کا ہنس دینا
آنا وہ تصور میں ان کا اور چپکے سے رخصت کیا کہیے
ہوتے وہ مرے کیا کہنا تھا حاصل : ہوا مجھکو یہ شرف
کیا راز ہوا افشا الفت کا اب حرفِ محبت کیا کہیے
اختر بھی تڑپتا ہے تیری چاہت کی کہانی کو سنکر
دکھ درد بیک سہتا ہے شاعر کی بھی حالت کیا کہیے

(۱۱) سید شاہ نصیر الدین صاحب جگر۔ صوبہ بہار کا یہ درد مند شاعر ابنائے شعر و شاعری میں ہمیشہ باقی رہے گا اس کی زندگی سراپا شعریت ہے اس کی زندگی درد و الم کی تصویر ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کے ہر شعر میں درد و تڑپ ہے۔ ابتدا میں جناب شاہ شفیع صاحب سے اصلاح لی ہے۔ کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔ ؎

شیشہ کی طرح ساغر واعظ نے جو دے پٹکا
بس چیخ اٹھے میکش ہے ہے یہ میرا دل تھا

کیا یادِ الٰہی میں دنیا سے جگرؔ اٹھا
گو رند تھا ظاہر میں باطن میں تو کامل تھا

---

ہم نے سب نذرِ جنوں وحشت کا ساماں کر دیا
چاک داماں کر دیا تارِ گریباں کر دیا

کہہ دیا کیا کان میں چپکے سے تو نے اے صبا
گل کو خنداں کر دیا بلبل کو نالاں کر دیا

منحصر مجھ پر ہی کب ہے اے جنوں جامہ دری
صبح کے مطلع نے بھی تو چاک داماں کر دیا

رباعی

اک روز جہاں سے مجھے جانا بھی ہے
مُنہ حشر میں خالق کو دکھانا بھی ہے
ڈرتا ہوں جگرؔ جاؤں تو کس برتے پر
عقبیٰ میں کہیں اپنا ٹھکانا بھی ہے

جگرؔ کی زندگی کی اصلی تصویر ایک غزل میں نظر آتی ہے جو
رسالہ "الامین" میں شائع ہوئی ہے

اس قدر ہیں سب کی نظروں میں جو بے توقیر ہوں

بانگِ بے ہنگام ہوں یا آہ بے تاثیر ہوں

وہ ملا دل آہ جو کھلنے نہ پائے گا کبھی
گلشنِ ہستی میں گویا غنچہ تصویر ہوں

زندگی بھر لاکھ ہم دامن بچاتے ہی چلے
خاک ہو کر اب یہ ہمت ہے کہ دامنگیر ہوں

کیوں مٹاتا ہے فلک کیا دیکھنا سنتا نہیں؟
صانعِ قدرت کی میں اک بولتی تصویر ہوں

کوئی کتنا ہی جگائے ہو نگا اب بیدار خاک
بختِ خفتہ یعنی میں سوئی ہوئی تقدیر ہوں

"یادِ اجمل خاں" میں جگر نے اس طرح اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے ؎

اے فلک تجھ میں نہیں کچھ انتہائے ظلم و جور
دیکھتے ہیں ہم تو دنیا سے نرالے تیرے دور
اس ستم ڈھانے میں کرتا ہی تو فکر و غور
بڑھ کے اس سے قہر کیا ڈھائے گا ہم پر کوئی اور
وہ مسیح الملک گویا ہند کا روحِ رواں
کر دیا خاموش تو نے ہائے اس کو ناگہاں

## (۱۲) مولوی سید عبدالوہاب صاحب شفق۔

آپ ضلع گیا میں پرسائیں شرفا کی ایک چھوٹی سی بستی ہے وہاں کے رہنے والے ہیں۔ ابتداء میں گورنمنٹ کے کسی اعلیٰ عہدہ پر تھے لیکن اس سے مستعفی ہو کر گیا میں وکالت کرتے ہیں۔ عربی فارسی اردو تینوں ادب پر اچھی دسترس رکھتے ہیں۔ اردو غزل گوئی میں آپکا ایک خاص رنگ ہے۔

نمونہ کلام درج ذیل ہے:۔

تمہیں خودی میں اگر پاس التجا نہ رہا
مجھے بھی حوصلۂ عرض مدعا نہ رہا

خلوص نیت طالب کی یوں ہوئی تکمیل
کہ ایک ذات رہی اس کے ماسوا نہ رہا

ہوس میں ٹھوکریں کھائی ہیں اسقدر دل نے
کہ یاد وقت دعا حرف مدعا نہ رہا

قفس میں بلبل غمدیدہ داستان اپنی
کسے سنائے کوئی دردآشنا نہ رہا

کریں وہ حسن کے تلافی یہ کچھ ضرور نہیں
یہی کرم ہے کہ باقی مجھے گلہ نہ رہا

ڈالے رحمت باری نے بڑھ کے ڈھانک لیا پ شفق کے جسم پہ جب جامہ رہا نہ رہا

(۱۰۳) سیّد محمد عبدالعزیز صاحب عزیز۔ اپنی اعلیٰ تخیلی اور سلاست زبان کے لحاظ سے اُستادوں کے زمرہ میں بجا طور پر شمار کیے جانے کے لائق ہیں۔ تحریک خلافت کے زمانہ میں آپ کے قومی نظموں نے بہار کی بیداری میں جو کارہائے نمایاں کیے تھے وہ محتاج بیان نہیں۔ آجکل بھی آپ زیادہ تر نظم ہی لکھتے ہیں۔ قصبہ بہار کے ایک قریب گاؤں جمالی چک ہے، آپ کا قیام زیادہ تر وہیں رہتا ہے۔ نمونہ کلام کے لئے آپ کی ایک قومی نظم "خطاب بہ فصل بہار" درج ذیل ہے: ؎

آج ہوا میں باغ کی وہ اثر بہار دے
جو رُخِ گُل نکھار دے زلف چمن سنوار دے

جائے فسردگی کا راج کر غمِ دل کا تو علاج
شاہِ خزاں کے سر سے آج تاج غرور اُتار دے

بادِ سموم سے مرا جوشِ جنوں دبا رہا
فصلِ بہار جلد آ اور اُسے اُبھار دے

ضبط سے خون ہے جگر موسمِ گُل کر اک نظر

خستۂ تیغ "جبر" کو مرہم "اختیار" دے
...ر نو طراز سے صفحۂ دل کی لے خبر
نقش الست مٹ چلا تو اب اسے ابھار دے
...اغ و چمن میں منحصر لطف و کرم ترا ہوا
جس پہ گلوں کو رشک ہو دشت کو تو وہ خار دے
...ولۂ بہار نے دعوتِ عام دی ہے آج
صحنِ چمن میں عندلیب جا کے ذرا پکار دے
...امن بوستاں کو جب آتش چمن سے بھر دیا
بلبلِ نالہ زن کو بھی سینۂ پُر شرار دے
...ختم ہوئی مے سبو جائے نہ مے کشی کی خو
شوق طلب میں اور جوش اے اثر خمار دے
فصلِ خزاں کا وہ سکوں جسمِ حیات کا تھا خوں
بادِ بہار تو مجھے اک دلِ بے قرار دے
...دامنِ دوستاں میں ہو ابرِ بہار گل فشاں
اور دلِ حریف کو تحفۂ نوکِ خار دے
...آئے صدا جو کان میں ڈال دے جان جان میں
زاغ کی بھی زباں میں زمزمۂ ہزار دے

بادِ سموم جور نے حوصلے کر دیئے ضعیف
ابر کرم عزیز کو ہمت اُستوار دے

(۱۴۱) ڈاکٹر مبارک عظیم آبادی۔ آپ کا شمار صوبہ بہار کے کہنہ مشق اُستادوں میں ہوتا ہے۔ شعر و ادب کا بہت اعلیٰ مذاق ہے۔ کلام میں رنگینی اور شگفتگی پائی جاتی ہے۔ زبان بھی بڑی پیاری اور سادہ ہوتی ہے۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے:-

دردِ دل یار رہا، درد سے یاری نہ گئی
زندگی ہم سے تو بے لطف گذاری نہ گئی

دن کے نالے نہ گئے، رات کی زاری نہ گئی
نہ گئی دل سے کبھی یاد تمہاری نہ گئی

انتظار آپ کا کب لطف سے خالی نکلا
رائگاں رات کسی روز ہماری نہ گئی

آپ سے شکوہ نہیں شاکی فریاد ہیں ہم
کان تک آپ کے فریاد ہماری نہ گئی

ہم تو خوں گشتہ تمناؤں کے ماتم میں رہے
سینہ کوبی نہ گئی سینہ فگاری نہ گئی

جب رہا میکدہ ساقی ترا گلزار رہا
چشم بد دور کبھی فصل بہاری نہ گئی
لوگ کہتے ہیں بدلتا ہے زمانہ لیکن
دن ہمارا نہ گیا رات ہماری نہ گئی
نامۂ شوق حسینوں کو مبارک شوقؔ
شوق کو چھیڑ رہی نامہ نگاری نہ گئی

---

## (۱۵) پروفیسر سید شاہ عطاء الرحمن صاحب

**عطاؔ:** - صوبہ بہار کی ان ہستیوں میں ہیں جو بغیر کسی خواہش نام و نمود کے اُردو شعر و ادب کی خدمت کرنی اپنا فرض اولین جانتے ہیں۔ آپ ضلع گیا میں ایک بستی کاکو ہے، وہاں کے اس خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں، جو اپنی نجابت اور شرافت کی وجہ سے ممتاز و سربلند ہے، آپکے بھائی ولی اور اختر بھی دورحاضرہ کے ممتاز شعراء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آج کل آپ گورنمنٹ کالج مظفر پور میں پروفیسر ہیں۔

نمونۂ کلام درج ذیل ہے: ؎

مانعِ جور و جفا گر ہو تو ہے عینِ جفا
خوگرِ لذّتِ آزار ہوں ایذا کیسی

---

خدا کرے کہ نہ دیکھیں وہ آئینہ
حسیں ہونے کا ان کو یقیں نہ ہو جائے

---

سکونِ زندگی ہے موت بلکہ موت سے بدتر
نویدِ زیست ہے سرگرم شوقِ جستجو رہنا

---

بس یہی ہے کہ کھنچا جاتا ہے دل اس کی طرف
اور میں کیا کہوں تم سے کہ محبّت کیا ہے

---

ادا وہ کیا کہ چرائے نہ دل کو دم بھر میں
وہ حسن کیا جو معاً دل نشیں نہ ہو جائے

---

اپنی ایک نظم میں مجموعہ "حسن و محبت" یعنی عورت پر بھی اظہار خیال کیا ہے، مجھے اچھی معلوم ہوئی اس لئے درج ذیل ہے: ؎

اک عالم رنگ و بو ہے عورت      اک محشر آرزو ہے عورت
سامان سرور و شادمانی      سرمایۂ عیش و کامرانی
وہ موجب صد نشاط بھی ہے      سرمایۂ انبساط بھی ہے
سب کچھ ہے مگر بلا ہے عورت      میں کیا کہوں جانے کیا ہے عورت

---

دل اور دل کا مدعا بھی ∴ ہے درد بھی درد کی دوا بھی
آفت بھی قہر بھی بلا بھی ∴ شوخی بھی ناز بھی ادا بھی
ہے پیکر مہر بھی جفا بھی ∴ سرمایۂ زیست بھی قضا بھی

---

یہ ابھی کا شباب ہے کہ یا رب ∴ مینائے شراب ہے لبالب
ہے جان شراب اس کی مستی ∴ ہے جان شباب اس کی ہستی
مستی کے ساتھ ہوشیاری ∴ اور شرم کے ساتھ عشوہ باری

---

اس کی رفتار ایک آفت ∴ قامت اس کی ہے اک قیامت
آنکھیں ہیں شراب کے پیالے ∴ لو میں چلا اب کوئی سنبھالے
وہ اس کی سحر کار آنکھیں ∴ وہ اس کی گنہگار آنکھیں
وہ اس کی چشم فتنہ پرور ∴ گردش جس کی ہے دور ساغر

عورت ہے حسن اور حسین عورت ٭ اس کی ہے زندگی محبّت
عورت ہے کائنات کی جان ٭ عالم اس کے بغیر ویران

---

## (۱۶) جناب ڈاکٹر عظیم الدین احمد صاحب عظیمؔ

آپ صوبہ بہار کی ان چند مغتنم ہستیوں میں ہیں، جن پر اہل بہار کو بجا طور پر فخر ہو سکتا ہے۔ آپ نے شعر و ادب کی خدمت کے لئے اپنے کو برابر وقف رکھا۔ پٹنہ یونیورسٹی میں آپ شعبہ فارسی اور اُردو کے صدر رہتے۔ عربی، فارسی، اُردو تینوں ادب پر آپ کو پوری قدرت حاصل ہے۔ آپ کی ہمہ دانی اور لیاقت کا زمانہ معترف ہے۔ زبان کی سادگی و سلاست اور تخیل کی رفعت کے لحاظ سے آپ کو ارباب فضل و کمال کی مجلس میں بہت ممتاز جگہ حاصل ہے۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے: ؎

خوشی سے مجھ کو کیا حاصل کہ لذّت یاب حسرت ہوں
طرب کی مجھ کو کیا پروا کہ میں محروم عشرت ہوں
میں اک تصویر ہوں گویا زبان بے زبانی کی
نہ میں منّت کش نالہ نہ مرہون سماعت ہوں

نہ میں گنجینۂ قاروں نہ میں جم کا دفینہ ہوں
نہ ہو جس کو فنا ایسا خزانہ ایسی دولت ہوں

میں ہوں وہ مست جس کا ایک جرعہ زمزم و کوثر
میں اس تکوین کے خمخانے میں صہبائے وحدت ہوں

مجھے ظاہر کی کیا پروا میں ہوں مست مئے باطن
صنم خانے میں اور میخانے میں محو عبادت ہوں

علو کے راز اسرار تنزل مجھ میں پنہاں ہیں
میں اپنی آپ عزت ہوں میں اپنی آپ ذلت ہوں

میں گو اک فرد ہوں پر نوع ہوں اور سارا عالم ہوں
میں خود دیر و حرم ہوں میں ہی دوزخ اور جنت ہوں

میں وہ ہوں جو ہوں سب کے ساتھ پھر سب سے الگ ٹھہرے
مجاز عالم ہستی ہوں اور اس کی حقیقت ہوں

حقیقت کے کرشموں سے جو دل مجبور ہوتا ہے
تو پھر کہہ کر "انا الحق" دار پر منصور ہوتا ہوں

---

(۱۷) **شاہ محمد حسن صاحب بسمل** :- آپ خسرو پور ہرداس بیگھہ کے رہنے والے ہیں۔ شعر و ادب کا بہت اچھا ذوق

رکھتے ہیں۔ علم دوستی اور پاکیزہ اخلاق کے باعث حلقۂ احباب میں کافی مقبول ہیں۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے: ؎

میں ہوں اور ہجر کا افسانہ ہے
ملک الموت سے یارانہ ہے
شکر کر شکر جو ساقی کم دے
اس کا ہر فعل حکیمانہ ہے
کفِ ساقی میں چھلک جائے نہ جام
ہر قدم لغزشِ مستانہ ہے
اس کی گردش نہیں دورِ مے ہے
چشمِ ساقی نہیں پیمانہ ہے
ایک ہی شمع ہے اس محفل میں
سارا عالم ہے کہ پروانہ ہے
چل کے بسمل کی حکایت تو سنو
کون کہتا ہے کہ دیوانہ ہے

---

(۱۸) پروفیسر اختر قادری ۔ آپ ذی علم خانوادہ کے ہونہار نوجوان ہیں، آپکے دادا سید شاہ امیر حسن قادری

اُردو اور فارسی کے مشہور شاعر تھے۔ شوقؔ تخلص فرماتے تھے۔
وزیر گنج ضلع گیا موضع بلیاری ایک قریہ ہے، وہیں آپ کا وطن
ہے۔ آج کل گیا کالج میں اُردو فارسی کے پروفیسر کا خدمت
انجام دے رہے ہیں۔

موجودہ ترقی پسند شعراء اور نثر نگار میں آپ ایک
ممتاز جگہ دیئے جانے کے لائق ہیں۔ آپ کے کلام میں قطعات
نظمیں غزل سبھی پائے جاتے ہیں اور سبھی میں ایک خاص
کیفیت ہے۔ آپ کی شاعری ترقی پسندیت کے ساتھ
ساتھ قدامت کی بھی چاشنی لئے ہوئے ہے۔

سُنتا ہوں اس طرف نظموں اور غزلوں کا مجموعہ
'نگارشاتِ اختر' کے نام سے اور کچھ افسانوں کا مجموعہ
'جاوید افسانے' کے عنوان سے ترتیب دے کر طبع کرانے
کی فکر میں ہیں۔ اللہ ان کی سعی مشکور کرے۔

نمونہ کلام کے طور پر چند اشعار درج ذیل ہیں:-

بے رحم آسمان کے گلہ ستم سے حاصل
کیا فائدہ الم سے کیا چشم نم سے حاصل
اب ہجر دائمی پر اظہار غم سے حاصل

رو رو کے جان اپنی اے جان نہ یوں گھلاؤ
میں تم کو بھول جاؤں تم مجھ کو بھول جاؤ

---

اب دل سے اپنے اگلی باتوں کو تم ہٹا دو
حسرت امید ارماں ہر ایک کو بھلا دو
تصویر، خط، نشانی جو کچھ بھی ہو جلا دو
بے فائدہ نہ دل کو آماج غم بناؤ
میں تم کو بھول جاؤں تم مجھ کو بھول جاؤ

---

آزادیوں کے وہ دن بچپن کا وہ زمانہ
گانے تھے مل کے ہم تم الفت کا جب ترانہ
آساں نہیں بھلانا مانا کہ وہ فسانہ
لیکن نہ یاد کر کے یوں اشک غم بہاؤ
میں تم کو بھول جاؤں تم مجھ کو بھول جاؤ

---

دنیا کا اک روش پر دو دن نہیں ٹھکانا
پہلو نیا بدلتا ہے ہر گھڑی زمانا

کرتے تھے التجا ہم پہلے "نہ بھول جانا"
اب آرزو ہے "مجھ کو تم یاد میں نہ لاؤ"
میں تم کو بھول جاؤں تم مجھ کو بھول جاؤ

---

قطرے جو اشک غم کے اے جان ہو تم بہاتے
بن بن کے تیر دل میں میرے وہ ہیں سماتے
ناشاد کر کے خود کو کیوں مجھ کو ہو جلاتے
اب خواب میں مرے یوں با چشم نم نہ آؤ
میں تم کو بھول جاؤں تم مجھ کو بھول جاؤ

---

(۱۹) جناب اودھ کشور پرشاد کشتہ: آپ گیا میں وکالت کرتے ہیں۔ اردو شعر و سخن کا بہت گہرا مذاق ہے۔ استادوں کے زمروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ اردو شعر و ادب کی کافی خدمت کر رہے ہیں۔ نمونہ درج ذیل ہے:۔

میرے دل کا حال پھر سمجھا نہ دیوانہ کا حال
پوچھتے رہتے اگر وہ اپنے دیوانے کا حال
ساری دنیا سے الگ، دیکھا یہ دیوانے کا حال

آپ میں آتا ہے سن کے آپ کے آنے کا حال

سر دھنا، روئی، جلی، پگھلی، بجھی ٹھنڈی ہوئی

شمع سے دیکھا گیا آخر نہ پروانے کا حال

آنکھ پر پردہ پڑا ہے عقل پر پتھر پڑے

کس طرح زاہد کو ہو معلوم میخانے کا حال

سننے والے دم بخود سب دیکھنے والے خموش

یہ ہے میرا حال یہ ہے میرے افسانے کا حال

جس کے دل میں جو شکایت تھی وہ دل میں رہ گئی

اہل محشر پر کھلا جب ان کے گھبرانے کا حال

ہنس کے بولا "اب چلا شاید تلاشِ جور میں"

جب ستمگر نے سنا کشتہ کے مرجانے کا حال

---

(۲۰) سید عبدالماجد صاحب اختر: آپ گورنمنٹ کالج مظفرپور میں پروفیسر ہیں۔ شعر و شاعری کا بڑا اچھا مذاق ہے نمونہ کلام درج ذیل ہے:-

اب نگاہیں منکر تجسیں امکاں ہوگئیں

عشق کی نادانیاں آخر کو عرفاں ہوگئیں

شکل دانہ خاک میں مل کر اُگے ہم بعد مرگ
خوبیاں پنہاں تھیں جو مر کر نمایاں ہو گئیں

فرطِ غیرت سے پتنگے کیوں نہ اپنی جان دیں
جب شعاعیں شمع کی محفل میں عریاں ہو گئیں

ایک احساں رہ گیا سر پر تمہاری تیغ کا
ورنہ جو کچھ مشکلیں تھیں آج آساں ہو گئیں

بن گئیں راہیں نکلنے کی جو سینہ چھد گیا
حسرتیں مرہون منت ہائے پیکاں ہو گئیں

آگ میں جلنا پتنگوں کا قیامت ڈھا گیا
انجمن میں شمع کی آنکھیں بھی گریاں ہو گئیں

مل گئیں مٹی میں کلیاں گلشن ہستی کی آہ
کر کے آنکھوں میں جگہ اختر وہ پنہاں ہو گئیں

---

(۲۱) **عبد الغنی صاحب شمس** - آپ صوبہ بہار کے ایک نوجوان شاعر ہیں۔ لیکن کلام میں خاصی پختگی ہے۔ پٹنہ ضلع میں ایک بستی گرائے پرسرائے ہے وہیں آپ کا مسکن ہے۔ ندیم بہار نمبر سے آپ کی ایک نظم

پیام نمونہً درج ذیل ہے :۔

اے دوست تری سعیِ بے حد مرہونِ آسائش کیوں ہے،
ہستی کی کشاکش سے غافل مشغولِ زیبائش کیوں ہے
اے صاحبِ دانش بہتر ہے مرجانا ایسے جینے سے
آثار تکدر کے ظاہر ہیں اب تیرے آئینے سے
اے دوست اگر خواہش ہے تجھے دنیا میں زندہ رہنے کی
تو آئیں تجھے اک بات کہوں گو بات نہیں ہے کہنے کی
تقدیر تو تیرے بس کی نہیں تدبیر کا تو سودائی بن
اور حسنِ عمل سے چمکا دے تاریک فضاؤں کے دامن
لے باندھ کمر تبلیغ کی اب اخلاق کا جھنڈا کر کے علم
اور دنیا کے ہر خطہ پر لہرا جا کر اپنا پرچم
پھر دیکھوں میں کس طرح نہیں ہوتا ہے زمانہ رام ترا
اور صفحۂ ہستی پر باقی رہتا نہیں روشن نام ترا

---

(۲۲) زبیدہ خاتون نما اسی۔ پٹنہ کی ایک معزز گھرانے کی تعلیم یافتہ خاتون ہیں۔ شعر و ادب کا بہت پاکیزہ مذاق ہے۔ کلام پاکیزہ اور شوخ ہوتا ہے

آپ کی نظم درشن سے ایک بند نمونۃً درج ذیل ہے :۔

جب صبح کی نظریں پڑتی ہیں خورشید کے رخِ تاباں پر
جس وقت کرن لہراتی ہے لیلائے شب کے دامن پر
جب بارش رحمت ہوتی ہے یکساں ہر گبر و مسلماں پر
جب نور کی چادر ڈھک جاتی ہے شب کی زلف پریشاں پر
میں تیرا درشن کرتی ہوں ہر صبح کو پردہ امکاں پر
میں تیرا درشن کرتی ہوں

---

**(۳۴) عائشہ بیگم وفا** :۔ سہسرام کی رہنے والی ہیں۔ کلام صاف ہوتا ہے :۔

نکلنا یاد ہے گلشن سے اے خزاں مجھ کو
میں آشیانہ کو روتی تھی آشیاں مجھ کو
کبھی حرم میں کبھی دیر میں کبھی دل میں
ملا ہے جلوہ نما تو کہاں کہاں مجھ کو
وفا اسیر قفس رہ کے چپ رہوں کیونکر
ستا رہی ہے بہت یاد آشیاں مجھ کو

---

(۲۳) محمود عالم وفا۔ پٹنہ ضلع میں براہ ایک بستی ہے، آپ وہیں کے رہنے والے ہیں۔ حضرت نوح ناروی کے مخصوص شاگردوں میں ہیں۔ نوجوان آدمی ہیں۔ رنگین طبیعت، دردمند دل اور شاعرانہ انداز پایا ہے۔ لکھتے بھی خوب ہیں، اور پڑھتے بھی خوب ہیں۔ آج کل کے نوجوان ترقی پسند شعرا میں آپ صوبہ بہار کے بہت مقبول شاعر ہیں۔ شاعری کے ہر صنف پہ طبع آزمائی کرتے ہیں۔ نظمیں، قطعات، رباعیاں بھی خاصی لکھتے ہیں۔ لیکن غزل میں آپ کا ممتاز رنگ ہے۔ نکہت گل اور سحر نظر دو مجموعے آپ کے شائع ہو چکے ہیں۔

نمونہ کلام درج ذیل ہے: ؎

میری ناکامیاں یہ کہہ رہی ہیں ٭ نقوش غم کا مٹ جانا ستم ہے
کتاب عشق کو کرتا ہوں میں جمع ٭ ورق کا اب بکھر جانا ستم ہے
سمجھتا ہوں مآل آرزو کو ٭ مگر اب تجھ کو سمجھانا ستم ہے

---

سمجھنا بہت ہوگا دشوار اس کا ٭ دل بے زباں کی حکایت نہ پوچھو
مسافر کو تھا خوف اک اک قدم پہ ٭ رہِ آرزو کی مصیبت نہ پوچھو
وفا تھی وفا کی تمنا کسی سے ٭ مگر میری شومی قسمت نہ پوچھو

ٹھہر جا اے دل مضطر ذرا آہ و فغاں کر لوں
نگہ جب ظلم پر ہو رہے خلش کو بھی جواں کر لوں
غلط ہے جستجوئے آستاں اے غیرت سجدہ
مزا جب ہے کہ پیدا ہر جگہ اک آستاں کر لوں
بہار آئی، کھلے غنچے، ہنسا گل، کونپلیں پھوٹیں
مگر اتنی کہاں فرصت کہ سیر بوستاں کر لوں

---

بڑے صناعِ عالم ہو بڑے مختار مطلق ہو
مٹا دو دستِ قدرت سے مرے نقشِ پریشاں کو
نہ ہے وحشت یہیں موجود ہر سامان وحشت ہے
جنوں میں کس لئے گھر چھوڑ کر جاؤں بیاباں کو
تمہاری بے بسی پہ خود مجھے اب رحم آتا ہے
بڑے ناوک فگن نکلے نکالو نوکِ پیکاں کو

---

## قطعہ

یہ چاندنی شب اور یہ رنگین نظارے
روتا ہے وفا بیٹھ کے دریا کے کنارے

پنہاں ہے جو آنکھوں سے رُخِ یار کا جلوہ
بے لطف ہیں بے کار چمکتے ہوئے تارے

---

## (۲۵) پروفیسر حافظ شمس الدین صاحب شمس منیری۔

آپ صوبہ بہار کی ان چند مغتنم ہستیوں میں ہیں جو سنجیدہ مزاج، متواضع اطوار کے ساتھ شعر و ادب کا بہت اعلیٰ اور پاکیزہ مذاق رکھتے ہیں۔ پٹنہ کالج کے ممدوح اور مقبول پروفیسر میں سے ہیں۔ سن کے لحاظ سے قدیم، لیکن شعر و ادب میں جدید رجحانات سے نہ صرف باخبر بلکہ اثر پذیر ہیں۔ اُردو شاعری میں ہر صنف پر طبع آزمائی کرتے ہیں۔ نظم، قطعہ، رباعی، غزل سب ہی خوب کہتے ہیں۔ شاعری کے علاوہ نثر نویسی کے اندر بھی آپ کا ممتاز درجہ ہے۔ زیادہ تر علمی اور تنقیدی مضامین لکھتے ہیں۔ ابھی تک آپ کے نظم و نثر کا کوئی مجموعہ کتاب کی شکل میں میری نظر سے نہیں گذرا ہے، لیکن ہندوستان کے مختلف رسائل میں آپ کے مضامین اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔

نمونہ کلام درج ذیل ہے:—

مرے غم الم کو نہ پوچھئے مجھے چین ہے نہ قرار ہے
ہے خزاں رسیدہ ریاض دل مجھے کیا امید بہار ہے
اُسے ڈھیر خاک کا جان کے نہ مٹا، کبھی نہ ملے گا یہ
یہ نشان راہ ہے بے خبر کسی راہ رو کا مزار ہے
جو جلائے تجھ کو تو آگ ہے جو دکھائے راہ تو روشنی
فقط ایک فرق مجاز ہے وہی نور ہے وہی نار ہے
ہو الم نصیب لسے یا خوشی، رہی شمسؔ حالت دل وہی
یہی وہ ریاض ہے واقعی کہ خزاں بھی جس کی بہار ہے

---

غم نہیں حسرت نہیں وحشت نہیں
وہ بھی کیا دل جس میں کیفیت نہیں
درد دل کہنے کی طاقت تھی کبھی
اور اب سننے کی بھی طاقت نہیں
کیا کرے گا کوئی عزت آپ کی
آپ اپنے دل میں جب عزت نہیں
ہے غزل میں شمسؔ اک لطف زباں
اس میں مضمون کی اگر وسعت نہیں

## رباعی

ہو کیف حیات سر میں پینا ہے یہی
ہو دل میں مئے جوش تو مینا ہے یہی
جینے کی ہوس نہ ہو یہ فطرت ہی نہیں
مرنے کا نہیں ہو خوف جینا ہے یہی

---

(۲۶) پروفیسر صدر الدین صاحب فضا۔ بہار شریف کے رہنے والے ہیں۔ عربی، فارسی، اردو تینوں ادب پر کامل دسترس رکھتے ہیں۔ آج کل پٹنہ کالج میں پروفیسر کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ نوجوان اور پرجوش آدمی ہیں۔ شعر و ادب کا پاکیزہ مذاق رکھتے ہیں۔ اردو شاعری میں غزل سے زیادہ نظمیں لکھتے ہیں۔ رسالہ معاصر سے ایک نظم "پیغام عمل" بطور نمونہ درج ذیل ہے:- ؎

بہت سو چکے نیند بیدار بیدار
جبینِ فلک پر ہیں شب خون کے آثار
سنبھل جاؤ اُٹھ بیٹھو ہو جاؤ ہشیار
کرو کچھ کرو آ گیا وقت پیکار
نہ گفتار سے کام کردار سے ہے

زباں سے نہیں کام تلوار سے

کہاں ہے عمر سی خلافت تمہاری
کہاں حیدری زور و طاقت تمہاری
کہاں ہے سلیماں سی شوکت تمہاری
کہاں ہے وہ پہلی سی سطوت تمہاری
بتاؤ تو وہ آبرو اب کہاں ہے
زمیں تو وہی ہے وہی آسماں ہے
کہاں ہے وہ ایفائے عہد بلالی
کہاں ہے وہ جوش صدائے غزالی
کہاں ہے وہ مسلم کا چشم ہلالی
عمل سے سمجھتے ہو مذہب کو خالی
اسی طور سے اندلس پر چڑھے تھے
کہ زیر نگیں مصر و ژدہا ہوئے تھے
اٹھو اور موج سے ہم کراں ہو
بنو ابر اور بر سر آسماں ہو
کرو وہ کہ برہم نظام جہاں ہو
جلا ڈالو اعدا کو برق تپاں ہو

جو سچ پوچھتے ہو تو جینا یہی ہے
زمانے کی گردش کا ایما یہی ہے
اٹھو تم کو روز جزا کی قسم ہے
ہو محو عمل مصطفےٰ کی قسم ہے
اٹھو تم کو سبیل حیا کی قسم ہے
کرو سعی پیہم خدا کی قسم ہے
قفس ہی کو رشک چمن اب بناؤ
اثر زورِ اسلام کا یوں دکھاؤ



## سید نیاز احمد فردوسی نام، اسد تخلص۔

(۲۷) رجہت ضلع گیا کے رہنے والے ہیں۔ موڈل ہائی انگلش اسکول آرہ میں ہڈ مولوی ہیں۔ پاکیزہ ادبی مذاق رکھتے ہیں۔ نظم و نثر دونوں لکھتے ہیں۔ نظم میں ہر صنف پر طبع آزمائی کرتے ہیں۔ موجودہ ترقی پسند اثرات سے کافی متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے۔

باز آتے نہیں ناصح مجھے سمجھانے سے
اور ہوں گے جو بہک جاتے ہیں بہکانے سے

---

غم سے اے دل کسے ڈراتا ہے۔
جب ہوں آزردہ خوشی خود ہی
کوئی ان کو برا بھلا نہ کہے
سن رہا ہوں جلی کٹی خود ہی

---

### رباعی

اچھوں کے جہاں میں بے ٹھکانے دشمن :: ہر گانے حریف تو یگانے دشمن
جو گھات میں ہیں گھات ہی میں رہتے ہیں اسد :: کھلتے نہیں عمر بھر سیانے دشمن

# ہندوستان کی قومی زبان اور رسم الخط

یہ کتاب جناب محمد معین الدین صاحب دردائی ام۔اے علیگ کی تحقیقی اور علمی تصنیف ہے۔ دردائی صاحب موجودہ دور کے ممتاز محقق اور ادیب ہیں۔ جلد آرڈر دے کر اس سے مستفید ہوجیے۔

قیمت مجلد معہ گرد پوش — ایک روپیہ دو آنہ (عہ/)

ملنے کا پتہ

(۱) اسلامیہ بک ڈپو آرہ

(۲) مکتبہ دین و دانش۔ مکھنیاں کنواں۔ بانکی پور